

مسعود انور علوی کاکوروی

ریسرچ اسکالر شعبۂ عربی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

برسوں لگی ہوئی ہیں جب مہر مہ کی آنکھیں
تب کوئی ہم سا صاحب، صاحبِ نظر بنے ہے

میر تقی میرؔ



Pdf By, Misken Mazhar Ali Khan

Cell No,00966590510687

اِنتخاب کلام خسرو کاکوروی

نواب حسین نواز جنگ بہادر منشی معراج الدین خسرو کاکوروی

کا منتخب اردو کلام مع مقدمہ

مسعود انور علوی کاکوروی

ریسرچ اسکالر شعبۂ عربی

مسلم یونی ورسٹی۔ علی گڑھ

کتاب کا نام — انتخاب کلام خسرو کاکوروی

مرتب کا نام — مسعود انور علوی کاکوروی

ناشر کا نام — مسعود انور علوی کاکوروی

سن اشاعت — ۱۹۸۳ء

تعداد اشاعت — چھ سو (۶۰۰)

طابع — نشاط پریس ٹانڈہ ضلع فیض آباد

ملنے کے پتے

کتب خانہ انوریہ تکیہ شریف کاظمیہ کاکوری ضلع لکھنؤ

دانش محل بک ڈپو امین آباد۔ لکھنؤ

مکتبۂ دین وادب امین آباد۔ لکھنؤ

نصرت پبلشرز امین آباد۔ لکھنؤ

قیمت

پچیس (۲۵) روپیہ

یہ کتاب

اُتر پردیش اردو اکاڈمی کے

مالی اشتراک سے

شائع ہوئی

انتساب

جانِ خسرو حضرت مولانا شاہ محمد حبیب حیدر قلندر

و نیزین

حضرت مولانا شاہ محمد تقی حیدر قلندر

حضرت مولانا حافظ شاہ محمد علی حیدر قلندر

قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم

کے حضور میں

"بصد عجز و نیاز"

> آنانکہ خاک را بہ نظر کیمیا کنند
> آیا بود کہ گوشۂ چشمے بما کنند



[illegible]

عکس تحریر نواب حسین نواز جنگ برادر

فہرست مضامین

نمبر شمار	عنوان / مطلع	

قطعۂ تاریخ

از نتیجۂ فکر محترم و مکرم ڈاکٹر مغیث الدین صاحب فریدی
ریڈر شعبۂ اردو۔ دہلی یونیورسٹی

ہوشیار اے اہلِ تقویٰ! با ادب اے صوفیو
رقص میں آتا ہے جامِ خسرو کاکوروی

ساغرِ شعر و سخن میں بادۂ اسرارِ حق
عام ہوتا ہے پیامِ خسرو کاکوروی

بہرِ تاریخِ طباعت بے تکلف کھل گیا
بابِ مسعودِ کلامِ خسرو کاکوروی

۱۴۰۵ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

شمالی ہندوستان کے قصبات عموماً اور صوبہ اودھ کے خصوصاً اپنی مردم خیزی علم دوستی اور فن پروری میں ہمیشہ سے مشہور رہے ہیں۔ اودھ کے قصبات میں کاکوری کو جو امتیاز حاصل رہا ہے وہ قطعاً محتاج بیان نہیں۔ اس قصبہ کی تاریخ کا جائزہ لیا جائے تو ایک سے بڑھ کر ایک دانش مند، سخن ور، صاحب قلم و صاحب سیف نظر آئے گا، ادبا، شعرا، علما اور فضلا اور صاحبان کمال کی ایک طویل فہرست ملے گی جن میں اکثر و بیشتر عظیم شخصیتیں خمول و گم نامی کے گوشے میں رہیں۔ دنیا کے دوسرے فضلا اور ماہرین کی طرح شعرا میں بھی ہزاروں ہستیاں ایسی گزری ہیں جو اگر آغوش گم نامی سے باہر آسکی ہوتیں تو آج زبان و ادب کا معیار کچھ اور ہی ہوتا۔

منشی معراج الدین صاحب خسرؔو کاکوروی بھی ایسی ہی باکمال ہستیوں میں سے تھے کہ اگر ان کا کلام منظر عام پر آگیا ہوتا تو وہ اپنے دور کے صاحب طرز شاعر شمار کیے گئے ہوتے ان کے کلام سے پوری طرح لطف اندوز ہونے اور ان کے محاسن شعری کا عرفان حاصل کرنے

کے لیے یہ ضروری ہے کہ اُن کے ادبی، ثقافتی اور روحانی ماحول پر ایک نظر ڈالی جائے اور
اس امر کا اندازہ لگایا جائے کہ ایک شاعر اپنے عہد کا خالق بھی ہوتا ہے اور مخلوق بھی۔
وہ اثرات قبول کرتا ہے، اپنے عہد کے رجحانات کو اپنی ذات میں جذب کرتا ہے اور پھر
اپنی تخلیقات کی ندرت و شدت سے اپنے زمانے کو ایک نئی بصیرت عطا کرتا اور اپنے احساسات
کی لطافت سے ماحول کے مشامِ جاں کو معطر کرتا ہے جب وہ حدیثِ زلفِ عنبر یار درست سر
کرتا ہے تو قارئین کو بھی اس کی خوشبو سے اپنے اشعار کے ذریعہ مست و بے خود کر دیتا ہے
ہجر اور اس کی شب ہائے تار میں جب اپنی دل سوزی اور جگر کاوی کا افسانہ چھیڑتا ہے
تو سامعین کی نیندیں اچاٹ کر دیتا ہے۔

حضرت خسرو کا دور کاکوری کا بڑا روشن و زریں دور تھا۔ کاکوری اب سے تقریباً ایک
صدی پہلے کی کاکوری، خوش نما فن تعمیر کی بنائی ہوئی کوٹھیوں کی کاکوری، وسیع و عریض
اور کشادہ حویلیوں کی کاکوری، جن کے مکین بیدار مغز، بیدار دل، بیدار ہوش اور
بیدار خرد تھے۔ غرض کہ ہر گھر داماں باغبان و کفِ گل فروش ہو رہا تھا۔ گہما گہمی، ہماہمی
قہقہے، چٹکلے، لطیفے، شعر و شاعری ذکی و ذہین دماغوں کی پیداوار اس سرزمین کو خطۂ شیراز
و خرمن اصفہان بنا رہے تھے۔ ذی علم و ذی فہم، ذی عقل اور ذی ہوش کون سا ایسا
شعبہ تھا جس میں یگانۂ روزگار اور منتخب دہر انسان اس خطے نے پیدا نہیں کیے۔ ایک سے
ایک بڑھ کر شاعر، نثر نگار، جدید نظم کی داغ بیل ڈالنے والے حضرت مولوی ارتضیٰ علی علوی خسرو[1]،

---

[1] مولوی ارتضیٰ علی علوی خسرو، سلسلہ نسب چوتھی پشت میں حضرت شاہ محمد کاظم قلندر بانی خانقاہ
کاظمیہ تک پہنچتا ہے۔ ۱۲۸۱ھ/۱۸۶۴ء میں پیدا ہوئے۔ علوم رسمیہ کی تعلیم حضرت حافظ شاہ علی انور قلندر
سے پائی۔ حضرت مولانا شاہ تقی علی قلندر نبیرۂ حضرت شاہ محمد کاظم قلندر سے بیعت ہوئے۔ آغا سنجر
ایرانی سے علی گڑھ میں ناسخ التواریخ پڑھی اور فارسی کلام پر اصلاح لی۔ شاعری میں داغ دہلوی

و نادر علی خاں نادر[۵۲] کل ہند شہرت حاصل کر رہے تھے۔ مولوی نور الحسن[۵۳] صاحب نیر مولف نور اللغات نیر بن کر چمک رہے تھے استادان فن میں منشی نور الدین صاحب[۵۴] کیفی اور مقصود احمد صاحب[۵۵]

کے شاگرد تھے۔ کچھ غزلیں و نظمیں جلال لکھنوی و امیر مینائی کو دکھائیں۔ تاریخ گوئی میں خاص ملکہ تھا اودھ پنچ، آزاد، مہذب اور دوسرے علمی رسالوں میں مضامین لکھے۔ ارمغان اودھ، ارمغان احباب مضامین اڈیسن، ہفت گلبن۔ شہید جفا۔ تصویر عبرت۔ خیاباں وغیرہ تصانیف مقبول عام ہوئیں۔ اودو کلام بندش مضامین و صفائی زبان میں اساتذہ کے کلام جیسا ہے۔ ۵ ار ذی الحجہ سنہ ۱۳۳۹ھ ۱۹۲۱ء کو سیتاپور میں انتقال ہوا۔

۵۲ نادر علی خاں عباسی نادر کاکوروی۔ سنہ ۱۸۵۷ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی پھر فارسی و انگریزی تعلیم مکمل کی۔ شاعری میں منفرد رنگ کے حامل تھے۔ اودھ پنچ، زمانہ، خدنگ نظر، دل گداز، مخزن الناظر میں ان کی نظمیں خراج تحسین وصول کرتیں۔ سنہ ۱۹۱۰ء میں کلام جذبات نادر کے نام سے دو جلدوں میں شائع ہوا پھر سنہ ۱۹۶۱ء میں سندھ اردو اکاڈمی (پاکستان) سے دوبارہ شائع ہوا۔ انھوں نے نیچرل شاعری میں دلچسپ طرز ادا کا اضافہ کیا۔ انگریزی نظموں کو بڑے لطیف پیرایہ میں اردو کا جامہ پہنایا۔ سنہ ۱۹۱۲ء میں کاکوری میں انتقال ہوا۔

۵۳ نور الحسن صاحب علوی حسان الہند علامہ محسن کاکوروی کے صاحب زادے تھے۔ سنہ ۱۸۶۵ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی عربی و فارسی والد سے پڑھی۔ انگریزی میں بی اے کیا پھر وکالت پاس کی۔ مین پوری میں پریکٹس کی پھر ہردوئی آئے اور آخر عمر میں کاکوری منتقل ہو گئے جہاں سنہ ۱۹۳۶ء میں انتقال ہوا۔ شاعری ورثہ آبائی تھا اس لیے کسی سے اصلاح لینے کی ضرورت نہ پڑی۔ کلیات نعت محسن، خورشید بدر، تعلیلات منظوم۔ ڈائجسٹ آف اودھ کیس لا، مشہور تالیفات ہیں۔ حضرت شاہ تقی علی قلندر سے بیعت تھے۔

۵۴ نور الدین علوی صاحب کیفی سنہ ۱۸۵۳ء میں پیدا ہوئے ابتدائی عربی و فارسی تعلیم خانقاہ کاظمیہ پر حاصل کی۔

نطق تغزل میں محو نغمہ سرائی تھے۔ سجاد حسین صاحب ۶ مدیر اودھ پنچ ظرافت و طنز و مزاح کی

فارسی شاعری میں آغا صادق حسین صاحب سے تلمذ تھا اردو میں منشی محمد رضا صبر اور مقصود صاحب نطق کاکوری کے شاگرد تھے۔ ایک کہنہ مشق شاعر تھے۔ تاریخ گوئی میں خاص ملکہ تھا۔ بوستان خیال کے طرز پر داستان طلسم نورنگار لکھنا شروع کی تھی ۲۴ جلدیں لکھ پائے تھے کہ پروانہ اجل آگیا ۱۹۲۸ء میں کاکوری ہی میں انتقال ہوا۔ حضرت شاہ تقی علی قلندر سے بیعت تھے۔

۵ مقصود احمد صاحب نطق ابن منشی ولایت احمد صاحب ۱۲۵۹ھ/۱۸۴۳ء کاکوری میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم اپنے عم مکرم مفتی عنایت احمد صاحب سے حاصل کی شاعری میں اپنے ماموں منشی محمد رضا صبر (م ۱۸۸۰ء) سے تلمذ تھا، حدیث شریف سے خاص شغف تھا۔ تمام صحاح ستہ و مسانید و معاجم کی صحیح حدیثوں کا نہایت عمدگی و قابلیت سے انتخاب کیا جو چھ جلدوں میں کتب خانہ انوریہ میں بخط مولف موجود ہے۔ اعمال سے متعلق دو رسائل مرتب کیے جن میں سے رد القضا من اعمال دفع الوباء متعدد بار طبع ہو چکا ہے۔ میر، ناسخ، مومن، آتش، وزیر، صبا وغیرہ جیسے شعرا کے کلام کا بہترین انتخاب کیا۔ ۱۲۹۱ھ/۱۸۷۴ء تک شاعری کی اور اسے عروج کمال تک پہنچایا۔ ۲۵ رمضان ۱۳۲۹ھ/۱۹۱۱ء کو کاکوری میں وفات پائی، یہ بھی حضرت شاہ تقی علی قلندر سے بیعت تھے

۶ منشی سجاد حسین ۱۸۵۶ء میں کاکوری میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی عمر میں اپنے ماموں نواب فدا حسین خاں (م ۱۲۹۷ھ) کے ہمراہ لکھنؤ میں تعلیم حاصل کی ۱۸۷۳ء میں ہائی اسکول پاس کیا۔ پھر لکھنؤ کیننگ کالج میں داخلہ لیا مگر انگریزی تعلیم سے طبیعت اچاٹ ہو گئی۔ فیض آباد میں فوج میں اردو کے معلم ہوئے وہ بھی چھوڑا پھر ۱۸۷۷ء میں منشی محفوظ علی کاکوروی کی تحریک پر انہیں کی شرکت میں اودھ پنچ نکالا جس کے ذریعہ شہرت کی بلندیوں پر پہنچے۔ اودھ پنچ کے ذریعہ اردو زبان کی قابل قدر خدمات انجام دیں۔ اردو اخبار نویسی میں طرز مذاق اور ظرافت کے موجد تھے۔ احمق الذین کایا پلٹ، حاجی بغلول، پیاری دنیا، میٹھی چھری وغیرہ مشہور تصانیف ہیں ۲۲ جنوری ۱۹۱۵ء میں لکھنؤ میں انتقال ہوا اور کاکوری میں تدفین ہوئی۔

پھلجھڑیاں چھوڑ رہی تھیں۔ حضرت مولانا شاہ علی اکبر قلندرؒ[4] اور ان کے صاحب زادہ حضرت مولانا حافظ شاہ علی انور قلندرؒ[5] فقر و قناعت اور تصوف میں آفتاب و ماہتاب بن کر چمک رہے تھے۔ شاعر، ادیب، صوفی صاحب حال و صاحب مقام تشکیل کردار اور تہذیب روح و اصلاح نفس کے اہم کام میں مشغول تھے۔ محبت کی چنگاریوں سے ہم نسبتوں اور

---

[4] حضرت مولانا شاہ علی اکبر قلندر کی ولادت ۱۲۴۹ھ/۱۸۳۳ء میں ہوئی۔ تمام کتب درسیہ اپنے عم مکرم حضرت مولانا شاہ تقی علی قلندر (متوفی ۱۲۹۰ھ/۱۸۷۳ء) سے پڑھیں۔ باطنی تعلیم اپنے والد ماجد حضرت مولانا شاہ حیدر علی قلندر (م ۱۲۸۴ھ/۱۸۶۷ء) اور عم مکرم سے حاصل کی۔ بیعت اپنے جد معظم حضرت مولانا شاہ تراب علی قلندر (م ۱۲۷۵ھ/۱۸۵۸ء) سے تھی۔ تمام عمر اخفا و گمنامی میں گزاری۔ اپنے والد ماجد و عم مکرم سے اجازت خلافت حاصل کی۔ کاکوری اور گرد و نواح کے بہت سے حضرات نے آپ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا۔ فقر و قناعت و خمول و گمنامی میں بزرگان سلف کا نمونہ تھے۔ ۱۳۱۴ھ/۱۸۹۶ء میں وصال فرمایا اور خانقاہ کاظمیہ کاکوری میں ہی تدفین ہوئی۔ رسالہ اصل الاصول فی بیان السلوک و الوصول اور ہدیۃ المتکلمین آپ کی قابل ذکر تصنیفات ہیں۔ ۳۰ سال خانقاہ کاظمیہ کے سجادہ نشین رہے۔

[5] حضرت مولانا حافظ شاہ علی انور قلندر کی ولادت ۱۲۶۹ھ/۱۸۵۳ء میں ہوئی، خانوادہ کاظمی کے گل سرسبد تھے۔ آپ کی ذات مجمع کمالات و منبع فیوض و برکات تھی۔ علم و فضل و فقر و درویشی اور ظاہری و باطنی وجاہت، اتباع شریعت اور تمام اوصاف حسنہ میں بے عدیل تھے۔ ابتدائی تعلیم مولوی شرف الدین سندیلی نزیل کاکوری سے حاصل کی۔ بیعت حضرت شاہ تراب علی قلندر سے تھی شرح جامی سے ہدایہ تک جملہ علوم حضرت شاہ تقی علی قلندر سے حاصل کیے۔ دوران تعلیم ہی درس و تدریس کا شغلہ شروع فرمایا۔ سیکڑوں کو علم ظاہر و باطن سے فیض یاب فرمایا۔ بایں ہمہ تقریباً ۲۵ بیش بہا عربی، فارسی اور اردو کی تصنیفات و تالیفات فرمائیں۔ ۱۳۲۴ھ/۱۹۰۶ء میں بعمر ۵۵ سال وصال فرمایا۔

کفش برداروں کے وجود کو شعلہ فشاں بنا رہے تھے۔ پوری فضائے کاکوری تہلیل و تسبیح کی گونج ذکر و اذکار کے شور اور شعر و شاعری کی نغمہ سرائی سے معمور تھی۔ ان کے چچا منشی وہاج الدین[۹] قلندرؒ دنیاداروں کی نظر میں ایک نیک نام اور کارگزار ڈپٹی کلکٹر اور اللہ والوں کی نگاہ میں ایک صاحب حال و قلندر مشرب بزرگ کاکوری کی مایۂ ناز خانقاہ قلندریہ کے فیوض و برکات کے بحر زخار سے پوری طرح سیراب ہو کر حقائق و معارف کے دریا بہا رہے تھے۔ اسمائے حسنیٰ میں اسم خبیر بن کر اپنے رشحات قلم اور زبان فیض ترجمان سے حجابات نظر دور کر رہے تھے اور ہزارہا نفوس کو قرب الٰہی کی دولت باقی سے ہم کنار کر رہے تھے۔ الدکرامی

---

۹ منشی محمد وہاج الدین قلندرؒ کی ولادت ۱۲۷۱ھ / ۱۸۵۴ء میں ہوئی۔ ابتدائی کتابیں اردو فارسی مولوی محمد یعقوب ملیح آبادی سے پڑھیں۔ عربی صرف و نحو و تفسیر و تصوف وغیرہ کی تعلیم حضرت مولانا شاہ علی اکبر قلندرؒ و مولانا شاہ علی انور قلندرؒ سے حاصل کی۔ اپنے ماموں نواب یار جنگ کرام اللہ خاں کے ہمراہ ہردوئی میں رہ کر انگریزی تعلیم انٹرنس تک حاصل کی۔ پھر سررشتہ اہلکاری سے تحصیلدار اور ڈپٹی کلکٹری تک ترقی کی۔ خوب صورتی، خوش خلقی، فیاضی، بلند خیالی، عفت و ذہانت و شجاعت، صدق و اخلاق، ہمت و فتوت۔ توکل و رضا اور معرفت سے متصف اور حضرات خانقاہ کاظمیہ کی کیمیائے نظر سے فیض یاب تھے۔ وحدت الوجود کے مسئلہ میں بہت غلو تھا۔ طالبان حق کو فیض یاب بھی کرتے تھے۔ حضرت مولانا شاہ تقی علی قلندرؒ سے بیعت اور حضرت مولانا شاہ علی انور قلندرؒ و مولانا شاہ حبیب حیدر قلندرؒ سے اجازت و خلافت تھی لیکن تمام عمر بہ پاس ادب کسی کو مرید نہ کیا۔ علم تصوف میں دو قابل قدر یادگاریں چھوڑیں ایک حضرت شیخ عبدالکریم جیلیؒ کی تصنیف الکہف والرقیم فی شرح بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی اردو شرح جو ۶۰۰ سے زائد صفحات پر مشتمل ہے دوسرا رسالہ الکبریت الاحمر فی تحقیق القلندر اردو میں بڑے دلچسپ انداز میں لکھا۔ دونوں کتابیں خانقاہ کاظمیہ سے شائع ہوئی ہیں ۱۳۳۱ھ / ۱۹۱۲ء میں وفات پائی۔ خانقاہ کاظمیہ میں تدفین ہوئی۔

منشی تاج الدین[1] صاحب جذب اردو و فارسی کے بڑے اور صاحب حال شعرا میں شمار کیے جاتے تھے جنھوں نے معارفانہ و متصوفانہ تصورات کو اپنے کلام میں رچ بس دیا تھا۔ خانقاہ شریفہ کی وجہ سے کاکوری کی ادبی، ذہنی اور روحانی سطح اتنی بلند تھی کہ جمال کی ہم نشینی نے ذرہ ہائے خاک اور غبار راہ کو بھی ذوق جمال عطا کرکے انھیں ایسا خاک سے پاک کیا کہ ہر خاک نشیں و خاک بسر بہ زبان حال یہ کہتا ہوا نظر آیا ع

کیمیائیست عجب بندگیٔ پیر مغاں،

خاک او گشتم و چندیں درجاتم دادند

حضرت خسرو بھی اسی گلشن کاظمیہ میں مہکے لہکے۔ دنیوی عروج و جاہ و حشم سے ہم کنار ہوئے اور جب ہر قسم کی دنیوی دولت و ثروت و عزت کا مزا چکھ کر نیستی و پستی کی طرف ڈالے گئے تو ملامت، غربت افلاس اور تنگ دستی بھی شریک قسمت بنی اور اس طرح پوری زندگی کے نشیب و فراز، تلخ و شیریں حالات سے

---

[1] منشی تاج الدین جذب۔ ڈپٹی وہاج الدین قلندر کے چھوٹے بھائی تھے ۱۲۷۳ھ ۱۸۵۶ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی فارسی کتابیں منشی احمد حسین کاکوروی سے پڑھیں پھر انگریزی اور فارسی کی تعلیم اپنے ماموں نواب یار جنگ بہادر کے ہمراہ رہ کر ہردوئی میں حاصل کی۔ منصفی اور ججی کے عہدہ تک ترقی پائی۔ حلم۔ تواضع۔ انکسار۔ حسن خلق۔ خدا ترسی۔ ایثار و خلوص و صدق معاملت جیسے صفات سے متصف تھے۔ حضرت شاہ تقی علی قلندرؒ سے بیعت تھے۔ فارسی شاعری میں اہل زبان جیسی مہارت تھی۔ کلام فارسی و اردو پر اثر معانی ہوتا تھا۔ شاعری میں منشی محمد رضا صبرؔ سے تلمذ تھا۔ فارسی و اردو دیوان معہ حالات "جذبات جذب" کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ ۱۳۳۲ھ ۱۹۱۴ء میں وفات ہوئی اور خانقاہ کاظمیہ میں تدفین ہوئی۔

دوچار ہوکر نفس کی تمام رہی سہی کثافتیں دور ہوئیں زنگ انا ختم ہوا اور احساس خودی کے شیشے چور، چور ہو گئے اس لیے کہ ع

تو بچا بچا کے نہ رکھ اسے ترا آئینہ ہو وہ آئینہ

کہ شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہ آئینہ ساز میں (اقبالؔ)

جب قلبِ شکستہ پیمانۂ شکستہ بن گیا تو ساقی کو عزیز ہو گیا اور وہ بے ساختہ پکار اُٹھے۔

ہر تمنا دل سے رخصت ہو گئی

اب تو آجا اب تو خلوت ہو گئی (مجذوبؔ لکھنوی)

اور دنیا اور اہل دنیا سے وہ بے نیازی ہو گئی کہ اپنے واردات قلبی کو مولوی نظام الدین حیدر صاحب[11] عباسی کاکوروی کے اس شعر کی شرح مفصل بنا دیا۔

جب سے لڑی ہو آنکھ مری کج کلاہ سے عالم کو دیکھتا ہوں میں ترچھی نگاہ سے

---

[11] نظام الدین حیدر صاحب عباسی ۱۳۰۴ھ / ۱۸۸۶ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد فارسی تعلیم حضرت مولانا شاہ حبیب حیدر قلندر سے حاصل کی ایک آدھ سبق حضرت مولانا شاہ علی انور قلندر سے پڑھے۔ حضرت مولانا شاہ حبیب حیدر قلندر کے سب سے پہلے مرید تھے۔ خلوص و نیازمندی۔ حق شناسی، حق پرستی میں بے مثل تھے۔ اسی کے ساتھ انتہائی زندہ دل۔ بذلہ سنج بھی تھے۔ انگریزی تعلیم میٹرک تک حاصل کی اس کے بعد محکمہ زراعت سے منسلک ہوئے ۱۹۴۱ء میں حیدرآباد سے ناظم زراعت کے عہدہ سے پنشن لے کر وطن آئے۔ ہندوستان کے مشہور انگریزی اخبارات میں زراعت اور دیہی اصلاح و ترقی سے متعلق مضامین لکھے ان کے علاوہ "گرام سدھار کے بارے میں دو دو باتیں" نامی کتاب مرتب کی جسے حکومت اترپردیش نے شایع کیا۔ "راہ حق" اردو میں اور انگریزی میں "وجود باری تعالیٰ سائنس کی روشنی میں" نیز خانقاہ کاظمیہ کے بزرگوں کے انگریزی میں حالات مرتب کیے باقاعدہ شاعر نہ تھے لیکن موزوں طبیعت ہونے کی وجہ سے جو کچھ کہا وہ بڑا پُر اثر ہے۔ حضرات خانقاہ کاظمیہ کے

حالات زندگی

پورا نام محمد معراج الدین عرف محمد حسین یاور خاں تھا۔ نسباً عثمانی تھے۔
۳ جولائی ۱۸۸۳ء مطابق ۲۷ شعبان ۱۳۰۰ھ کو کاکوری کے ایک باعزت و
ممتاز گھرانہ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم خانقاہ کاظمیہ قلندریہ میں حاصل کی جس نے
بارہویں صدی ہجری سے اب تک مسلسل ایسے علمائے حق شناس و صوفیائے کاملین پیدا
کئے ہیں۔ جن کے نعلین کی خاک کو لوگوں نے کحل البصر بنایا۔ اُن کا پورا خاندان اسی میخانۂ
عرفان سے وابستہ رہا ہے۔ حضرت قطب الاقطاب مولانا حافظ شاہ علی انور قلندر قدس سرہٗ
کے روبرو زانوئے تلمذ تہ کیا۔ عربی و فارسی اور اردو کی تعلیم حاصل کی کچھ اسباق حضرت
مولانا شاہ علی اکبر قلندر سے اور کچھ حضرت مولانا شاہ حبیب حیدر قلندر[۱] سے بھی پڑھے

فیض توجہ سے فیض یاب و شاد کام رہے ۱۳۸۵ھ / ۱۹۶۵ء میں شاداں و فرحاں عالم ناسوت کو خیرباد کہا
اور خانقاہ شریفہ میں مدفون ہوئے

[۱] جانِ خسرو حضرت مولانا شاہ حبیب حیدر قلندر، مولانا حافظ شاہ علی انور قلندر کے سب سے بڑے صاحبزادہ
تھے۔ ولادت شریف ۱۲۹۹ھ / ۱۸۸۲ء میں ہوئی۔ ابتدا سے انتہا تک تمام علوم تفسیر و حدیث و فقہ و تصوف
معقول و منقول نیز اذکار و اشغال اور اعمال و اوراد کی تعلیم والد ماجد سے حاصل کی ۱۹ سال
کی عمر میں تمام علوم ظاہری سے فراغ حاصل کیا اعلیٰ درجہ کے ادیب و محدث، فقیہ و محقق ہوئے
اللہ تعالیٰ نے کمالات باطنی کے علاوہ صباحت و ملاحت صوری و وجاہت ظاہری بھی علیٰ وجہ
الکمال عطا فرمائی تھی۔ حضرت مولانا سید علی ظاہر وتری مدنی شیخ الحدیث حرم نبوی صلی اللہ علیہ
وسلم نے اجازت نامہ عطا کیا۔ اس کے علاوہ والد ماجد نے تمام سلاسل و اوراد و وظائف وغیرہ کی
اجازت اور مولانا فرید الدین خاں محدث کاکوروی نے حدیث کی اجازت عطا فرمائی۔ آپ بڑے خلیق

آپ کے نانا صاحب مغفور نواب یار جنگ نواب اکرام اللہ[13] خاں صاحب صوبہ دار گلبرگہ (دکن)، اور عم مکرم حافظ سراج الدین[14] صاحب مرحوم نے بھی آپ کی تعلیم و تربیت کی،

فہیم و ذکی و ذہین و صاحب فضل مبین تھے۔ ہر ملنے والا آپ کی ہمہ گیر شخصیت سے آپ کا گرویدہ ہو جاتا۔ خانقاہ کاظمیہ کی جو درستی و رونق آپ کے عہد سجادگی میں ہوئی وہ محتاج بیان نہیں۔ اپنے فیض باطنی سے بکثرت لوگوں کے قلوب ماہیت کیے۔ متعدد کتابیں و رسالے عربی و فارسی اور اردو میں تصنیف فرمائے۔ اپنے والد ماجد کی اتباع میں ۷۵ سال کی عمر میں ۱۳۵۴ھ/۱۹۳۵ء میں وصال فرمایا۔

[13] نواب اکرام اللہ خاں مولوی شاہ تقی یار خاں صاحب (م ۱۲۸۰ھ/۱۸۶۳ء) کے صاحبزادہ تھے۔ ۱۲۴۶ھ/۱۸۳۰ء میں پیدا ہوئے۔ عربی میں متوسطات تک کی تعلیم مولوی نادر علی خاں ملیح آبادی تلمیذ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (م ۱۲۳۹ھ/۱۸۲۳-۲۴ء) سے حاصل کی۔ عدل و دیانت و سخاوت عالی دماغی رحم دلی۔ اقبال مندی و سیاست میں مشہور زمانہ تھے۔ سرکار انگریزی کی ملازمت میں اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر ہردوئی رہے۔ پھر نظام حیدرآباد کے یہاں کمشنر کے عہدہ پر مامور ہوئے جہاں سے اپنے حسن خدمات کی بدولت نواب یار جنگ بہادر کا خطاب اور دو ہزاری منصب پانچ سو سوار اور علم کا اعزاز عطا ہوا۔ حضرت شاہ تراب علی قلندر سے بیعت تھے۔ ۱۳۱۷ھ/۱۸۹۹ء میں وفات کاکوری میں پائی۔

[14] حافظ سراج الدین صاحب ابن شیخ وحید الدین صاحب ۱۲۶۹ھ/۱۸۵۲ء میں پیدا ہوئے۔ کلام مجید حافظ محمد علی نابینا سے یاد کیا تھا۔ عربی و فارسی کی تعلیم حضرت مولانا شاہ تقی علی قلندر و شاہ علی اکبر قلندر سے حاصل کی۔ انگریزی میں انٹرنس تک تعلیم حاصل کی پھر اپنے ماموں نواب اکرام اللہ خاں کے ہمراہ حیدرآباد میں رہے۔ اعلیٰ درجہ کے وکیل تھے۔ بیعت حضرت مولانا شاہ حیدر علی قلندر (م ۱۲۸۴ھ/۱۸۶۸ء) سے تھی۔ مولانا حافظ شاہ علی انور قلندر کے خاص مسترشدین و احباب میں سے تھے۔ طبیعت میں سوز و گداز تھا۔ کبھی کبھی شاعری بھی کرتے تھے۔ ۱۳۱۵ھ/۱۸۹۷ء میں حیدرآباد میں وفات پائی۔ حضرت خورد کی اہلیہ آپ کی صاحبزادی تھیں۔

انگریزی تعلیم کاکوری اور ہردوئی میں میٹرک تک حاصل کی جسٹس سید محمود اور مسٹر فلپ آئی سی ایس سے انگریزی تعلیم حاصل کی حصول ملازمت تک اپنے والد مرحوم اور عم مکرم منشی محمد دہاج الدین قلندر ڈپٹی کلکٹر کے زیر تربیت رہے۔ ۱۹۱۴ء میں حیدر آباد دکن میں تحصیلداری پر مامور ہوئے۔ اپنی غیر معمولی استعداد و صلاحیت کی بنا پر جلد ہی دوم تعلقدار اور اس کے بعد کچھ عرصہ میں اول تعلقدار (کلکٹر) گلبرگہ ہو گئے۔ آگے چل کر اپنے حسن انتظام لیاقت ذاتی اور عوام میں ہردل عزیزی نیز ذہانت و بیدار مغزی کی بنا پر نظام دکن میر عثمان علی خاں کے معتمد اور مشیر خاص ہو گئے۔ نظام نے ۱۳۴۳ھ ۱۹۲۴ء میں نواب حسین نواز جنگ بہادر کا خطاب اور خلعت و کلغی جو شاہان آصفیہ کے یہاں کا سب سے بڑا اعزاز تھا، عطا کیے دکن میں کافی عرصہ بڑی آن بان سے رہے۔ سیکڑوں کو فائدے پہنچائے بہ کثرت حاجت مندوں کی ایسی حاجت روائی کی کہ انھیں کوتاہی داماں کا شکوہ کرنا پڑا۔ لیکن ۱۹۲۶ء میں کچھ ناسازگار حالات کی بنا پر مزاج میں تکدر پیدا ہوا اور قبل از وقت پنشن (وظیفہ حسن خدمت) پر مستعفی ہو کر وطن آ گئے اور پھر تا حین حیات یہیں رہے۔

حضرت مولانا حافظ شاہ علی انور قلندر کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے مرشد برحق نے نسبت جبی سے نواز ا اور اپنے صاحب زادہ عالی مقام حضرت مولانا شاہ حبیب حیدر قلندر اور ان کی روح کو ایک کر دیا۔ چنانچہ تمام عمر ایک جان دو قالب بنے رہے۔ ان کی یہی نسبت جبی اہل سلوک کے لیے قابل رشک ہے کیوں کہ سلوک میں بلا نسبت جبی کے ہرگز ہرگز راہ نہیں ہے۔

هر بوالهوس نداند کایں سوختن چه باشد
باشد ز خاک عاشق هر ذره کیمیائے

حضرت سرمد علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

سرمد غم عشق بوالهوس را نه دهند | سوز دل پروانه مگس را نه دهند
عمرے باید که یار آید به کنار | ایں دولت سرمد همه کس را نه دهند

دوست نے اس یاری کی محبت کے الجھاوے میں پھنسا دیا پھر کیا تھا لینت اور گدازی قلب جو دولت و ثروت کے حجابات میں پوشیدہ تھے بے حجاب ہو گئے۔ قلب شعلۂ سوزاں بن گیا مجاز سے حقیقت کی طرف رسائی ہوئی لیکن اس دور ابتلا میں نگاہ صرف ایک ہی کج کلاہ سے لڑی رہی کہ تمام عمر دنیا کو ترچھی نگاہ سے دیکھا کیے۔ بالآخر کلام کی حلاوت و شیرینی اور لذت و سوز نے محبوب سے اعتراف کرا ہی دیا کہ حضرت نظام الدین اولیاء کے ایک امیر خسرو تھے اور معراج ہمارے خسرو ہیں۔ حسن اتفاق سے خسرو تخلص بھی ہوا۔ یہی سادگی و پرکاری، شوخی و رندی آزادی اور آزادہ روی مشرب بھی جو سراپا ناز تھا اس کے ہمیشہ نیاز مند بھی رہے اور اس سے خوب خوب جا و بے جا ناز و نخرے بھی اٹھوائے کہ دیکھنے والے رشک کرتے رہے۔

ہم نشین کے حسن و جمال ظاہری و باطنی نے حضرت خسرو کے کلام کو فرش سے عرش پر پہنچا دیا اور استمراری فیض و فیضان کی بیش بہا دولت عطا فرمائی۔ ان کی زندگی کا ایک ایک لمحہ بہ بانگ دہل اس بات کی گواہی دے رہا ہے کہ ان کے پیر و مرشد نے انھیں جس نسبت جس سے نوازا تھا اس کو سرمایۂ دل و جان بنا کر ان کے جانشین اور اپنے محبوب حضرت شاہ حبیب حیدر قلندر پر نثار کرتے اور اپنے کو مٹاتے رہے۔ آپ کی بارگاہ میں جو مقبولیت و محبوبیت حضرت خسرو کو حاصل تھی وہ کسی کو نہ ہوئی۔ اُن کے بکثرت واقعات ایسے ہیں جن سے کمال محبوبیت کا پتہ چلتا ہے۔ حضرت صاحب قبلہ کے نام ان کے خطوط میں ہمیشہ "جانِ خسرو" جیسے محبت آمیز القاب ہوتے تھے۔

مولوی محمد عالم[15] صاحب قیصری کاکوروی[7] نے "عیون المعارف من شیون المعارف"

---

[15] مولوی محمد عالم صاحب قیصری مولوی محمد ہاشم صاحب افسر (م ۱۳۴۰ھ / ۱۹۲۱ء) کے صاحب زادہ مولوی محمد عالم صاحب قیس کے چھوٹے بھائی اور حضرت خسرو کے سگے پھوپھی زاد بھائی تھے (۱۳۱۱ھ / ۱۸۹۴ء)

میں حضرت خسرو کا قول نقل کیا ہے کہ "بچیا جان (منشی محمد دہاج الدین صاحب قلندر) نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ معراج جو نسبت عشقی تم کو حضرت کے یہاں سے ملی ہے یہ بہت بڑی دولت ہے اس کو بڑھاؤ اور بالکل دال رد لی کر دو یعنی اس قدر مزاولت کرو کہ ملکہ ہو جاؤ اور شب و روز اسی دھن میں رہا کرو، چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا اور بالآخر اسی نسبت جبی کے ذریعہ سے تیز بینی طیران تک رسائی ہوئی"۔

حضرت مولانا حافظ شاہ علی حیدر[۱۶] قلندرؒ تذکرہ حبیبی حصہ دوم میں ان کے حال

میں پیدا ہوئے۔ حضرت مولانا حافظ شاہ علی انور قلندرؒ کے مرید اور حضرت شاہ حبیب حیدر قلندرؒ کے شاگرد رشید اور مسترشد تھے فارسی اور عربی میں بڑی عمدہ لیاقت رکھتے تھے۔ شاعری کا مذاق بہت اعلیٰ تھا بڑے باخدا اور اہل دل تھے اپنے منجھلے ماموں ڈپٹی دہاج الدین قلندرؒ کی صحبت اور تربیت میں ان کی علمی قابلیت میں چار چاند لگ گئے اور ان کے فیض صحبت سے مسائل سلوک و تصوف میں بہت اچھی واقفیت ہو گئی تھی عیون المعارف ملفوظ شاہ دہاج الدین قلندرؒ اور رموز الغیب ترجمہ فتوح الغیب ان کی قابلیت و صلاحیت علمی پر دال ہیں خمسۂ قلندریہ یعنی ترجمہ شہود المقربین وغیرہ اور بھی کئی رسالے ان کی تالیف و تصنیف سے ہیں۔ ان کے علاوہ اردو فارسی کلام پر مشتمل دیوان بھی ہے جس سے ان کی استعداد و ذوق کا پتہ چلتا ہے علم تصوف سے بڑا شغف تھا۔ عین جوانی میں بعمر ۳۹ سال ۱۳۵۰ھ/۱۹۲۱ء وفات پائی اور خانقاہ شریفہ میں آسودۂ خواب ہوئے۔ دو صاحبزادے محمد عسکری صاحب خالدی و محمد ذکی صاحب خالدی موجود ہیں۔

[۱۶] حضرت مولانا حافظ شاہ علی حیدر قلندرؒ خلف اصغر حضرت مولانا حافظ شاہ علی انور قلندرؒ کی ولادت ۱۳۱۱ھ/۱۸۹۴ء میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم اور فارسی کی دو ایک کتابیں والد ماجد سے پڑھیں ۱۳۲۴ھ/۱۹۰۶ء میں ان کے وصال کے بعد بقیہ تعلیم کی تکمیل اپنے برادر معظم حضرت مولانا شاہ حبیب حیدرؒ

میں رقم طراز ہیں "حضرت سلطان المحبوبین (شاہ حبیب حیدر قلندر) سے بہ لحاظ دوستی و محبت اور خلوص و نیاز عجیب طرح کی معاملت تھی کبھی کبھی انقباض باطنی کی شدت میں یا افکار دنیاوی کے ترددات میں اتنے ناراض ہو جاتے تھے کہ ہفتے اور مہینے گزر جاتے تھے اور یہ نہ حضرت سلطان المحبوبین کی خدمت میں حاضر ہوتے نہ اتفاقیہ سامنا ہونے پر بات چیت کرتے بلکہ بعض اوقات آپ کی طرف سے سخت ناراضگی کا اظہار کرتے اور برا بھلا کہتے۔ ایسا اظہار چند ایسے ہی شخصوں کے سامنے ہوتا تھا جن سے یگانگت رکھتے تھے۔ مگر پھر بھی یہ گوارا نہیں تھا کہ ان کی خوشامد میں کوئی دوسرا کسی طرح کے نازیبا الفاظ آپ کی شان میں کہے اگر کوئی آپ سے ان کے غصہ اور خفگی کے الفاظ آ کر بیان کرتا تو آپ ہنس دیتے اور فرماتے کہ "ان کی حالت کا اقتضا ہی یہی ہو ہم اُن کے کہنے کو برا نہیں مانتے"۔

قلندر سے کی۔ فقہ۔ حدیث منطق علم کلام اور عربی و فارسی ادب کی تعلیم بھی انہیں سے حاصل کی اور انہیں کے دست حق پرست پر بیعت کی۔ پیر و مرشد کی بارگاہ میں بہت مقبول و محبوب تھے جس کا اندازہ ان کے اجازت نامہ سے ہوتا ہو۔ علم و فضل، فقر و درویشی ورع و تقویٰ دریا سنت میں اپنے اسلاف کا جیتا جاگتا نمونہ تھے۔ تاریخ و ادب سے خاص ذوق تھا۔ ابتدا میں عربی و فارسی اور اردو شاعری کا بھی ذوق تھا لیکن بعد میں ترک کر دیا۔ حُبّ علیؑ و اہل بیت میں سرشار و مست تھے۔ احسن الانتخاب۔ نفائس المنن اور مناقب المرتضیٰ اس کا نمونہ ہیں کتاب تذکرہ مشاہیر کاکوری ان کی دقت نظر اور تحقیقی شعور پر دلالت کرتی ہو۔ حضرت مولانا شاہ تقی حیدر قلندر کے وصال کے بعد سجادہ نشین ہوئے اور ۱۳۶۶ھ ۱۹۴۷ء میں وصال فرمایا۔

یہاں پر ان کے دو دو واقعات درج کیے جاتے ہیں جن سے حضرت شاہ حبیب حیدر قلندر اور ان کے باہمی اُنس و محبت اور الفت و ارتباط کا پتہ چلتا ہو۔ اسی الفت و محبت اور نسبت حبی نے ان کے کلام میں سوز و گداز پیدا کیا۔ مولوی معروف الدین صاحب[1] علوی مدظلہ نے اپنے چشم دید واقعات میں سے ایک واقعہ بھی راقم الحروف سے بیان فرمایا کہ "عرس شریف کا زمانہ تھا معراج بھائی حیدر آباد سے رخصت پر آئے۔ شب میں خانقاہ شریفہ پر حاضر ہوئے۔ میں بھی موجود تھا تقریباً گیارہ بجے سب کے ساتھ حضرت پیر و مرشد نے کھانا تناول فرمایا پھر ہاتھ دھو کر سجادہ پر بیٹھے رہے اس کے بعد معراج بھائی سے چپکے چپکے گفتگو شروع فرمائی۔ اور اس میں اس قدر محویت ہوئی کہ تمام رات گزر گئی اور پتہ نہ چلا یہاں تک فجر کی اذان ہونے لگی تو آپ نے مسکرا کر اُن کو رخصت فرمایا۔ میں بھی تمام شب عالم بھائی (مولوی محمد عالم قیصری) کے ہمراہ مؤدب بیٹھا رہا۔ اس قدر آہستہ باہم گفتگو ہو رہی تھی کہ کچھ پتہ نہ چل سکا۔" (پتہ چلتا بھی کیسے اس لیے کہ ع میان عاشق و معشوق رمزیست۔ کراماً کاتبین راہم خبر نیست)

---

[1] مولوی معروف الدین صاحب علوی مدظلہ ابن مولوی نظام الدین صاحبؒ ابن مولانا حافظ شاہ وجیہہ الدین صاحبؒ مرید و خلیفہ حضرت مولانا شاہ تراب علی قلندرؒ ۱۹۰۳ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم خانقاہ کاظمیہ پر حضرت مولانا شاہ تقی حیدر قلندرؒ و حضرت مولانا شاہ علی حیدر قلندرؒ سے حاصل کی۔ حضرت مولانا شاہ حبیب حیدر قلندرؒ سے بیعت ہیں۔ ان کے منظور نظر، خازن و امین معتمد اور مورد عنایات و توجہات رہے ہیں۔ تینوں حضرات کے نظر یافتہ اور محبوب رہے انگریزی تعلیم حاصل کرنے کے بعد ریلوے میں ملازمت کی۔ دل بیار و دست بکار کا نمونہ ہیں۔ بڑے راسخ العقیدہ سچے مؤدب اور معمولات کے پابند اور اسلاف کا نمونہ ہیں۔

دوسرا واقعہ حضرت مولانا حافظ شاہ مجتبیٰ حیدر صاحب[1] قلندر مدظلہ العالی نے احقر سے اُن کے بیشتر دلچسپ وسبق آموز و قابل رشک واقعات کے ساتھ بیان فرمایا

---

[1] حضرت مولانا حافظ شاہ مجتبیٰ حیدر قلندر مدظلہ خلف اصغر حضرت مولانا شاہ تقی حیدر قلندر و برادر اصغر حضرت مولانا مرشدنا شاہ مصطفیٰ حیدر قلندر مدظلہ سجادہ نشین حال خانقاہ کاظمیہ کی ولادت ۱۹۲۶ء میں ہوئی۔ حضرت مولانا شاہ حبیب حیدر قلندر نے تسمیہ خوانی کرائی اور کلام پاک حفظ کرایا ابتدائی تعلیم انھیں سے حاصل کی اُن کے وصال ۱۹۳۵ء کے بعد علوم درسیہ عربی و فارسی ادب۔ فقہ تفسیر و حدیث منطق و کلام اور اخلاق و تصوف کی تعلیم والد ماجد اور عم مکرم سے حاصل کی۔ علمائے وقت مولانا عبدالحق پیلی بھیتی اور مولانا ظفر الحسن جو یوری وغیرہ سے بھی اکتساب علم کیا۔ مفتی ابوذر سنبھلی اور شیخ محمد صالح (عرب) مدنی نے سند حدیث بزبان عربی دی۔ اپنے والد ماجد سے بیعت ہیں ان سے اور اپنے عم مکرم مولانا حافظ شاہ علی حیدر قلندر سے اجازت خلافت جملہ سلاسل و اوراد و وظائف وارشاد و بیعت ہے۔ اپنے والد ماجد کے آئینہ کمال اور الولد سر لابیہ کے سچے مصداق ہیں خمول و گمنامی سے انس ہے۔ تصنیف و تالیف کا ذوق ہے۔ شرح سانت رس امرت رس۔ ترجمہ شرائط الوسائط و نیرین وغیرہ ان کی علمیت و ادبیت پر دال ہیں تاریخ و تصوف۔ علم الانساب اور فقہ و حدیث میں بہت درک ہے۔ خانقاہ کاظمیہ کے جملہ انتظامی امور و امامت اور اعراس و فواتح کے کل انتظامات و درس و تدریس آپ کے ذمہ حسب الحکم مرشدی ہیں۔ ابتدا میں فارسی زبان میں طبع آزمائی فرماتے تھے جو بڑی پر مغز و پر معانی ہوتی تھی مگر پھر ترک کردی۔ اللہ تعالیٰ نے قوت حافظہ سے خوب نوازا ہے جس کی بنا پر جو کچھ پڑھا دیکھا اور اپنے بزرگوں سے سنا ہے بجنسہ ذہن میں محفوظ ہے۔ اللہ تعالیٰ صحت و تندرستی کے ساتھ عمر میں برکت عطا فرمائے۔ آمین

"۲۲ محرم الحرام ۱۳۲۴ھ کی صبح کو حضرت شاہ حبیب حیدر قلندر اور حضرت خسرو خانقاہ شریفہ کے باہر کھڑے تھے۔ حضرت صاحب قبلہ پر والد ماجد حضرت مولانا شاہ علی انور قلندر کی مفارقت سے سخت گریہ طاری تھا (۲۰ محرم الحرام ۱۳۲۴ھ ۱۹۰۶ء کو آنجناب کا وصال ہوا تھا) حضرت خسرو نے اسی حالت میں آہ سرد بھر کر کہا کہ اب کل سے آپ اور ہوں گے ہم اور (یعنی کل بروز سیوم آپ لباس سجادگی زیب تن فرمائیں گے اس کے بعد بھلا ہم جیسوں کی پوچھ کہاں) آپ نے بہ کمال عنایت آبدیدہ ہو کر ان کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا معراج خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جو کچھ ملے گا اسے بغیر تمھارے نہ کھاؤں گا۔"

حضرت صاحب قبلہ نے تا حین حیات اپنے اس قول کو نباہا حضرت خسرو کی مقبولیت و محبوبیت کی اس سے بڑھ کر اور کیا دلیل ہو سکتی ہو کہ تمام عمر یار غار بنے رہے اور وصال کے بعد بھی ان کا یہ شعر آج بھی ان کے حسب حال ہو

زہی قسمت کہ میں خوش ہو کے اس دنیا سے جاتا ہوں
کسی کا غم رہیگا بعد میرے نوحہ خواں میرا

آج بھی حضرت شاہ حبیب حیدر قلندر کو جو بھی یاد کرتا ہو وہ حضرت خسرو کو بھی یاد کرتا ہو اور یہ اُنس و وفور محبت کی دلیل ہو کہ اِذَا ذُکِرتُ ذُکِرتَ (جب مجھے یاد کیا جائے تو تم بھی یاد کیے جاؤ)

قلم بشکن، سیاہی ریز و کاغذ سوز و دَم درکش
حسن این قصۂ پُر درد در دفتر نمی گنجد

وفات

۲۲ محرم الحرام ۱۳۵۴ھ ۱۹۳۵ء کو خانقاہ کاظمیہ میں حضرت مولانا حافظ علی انور قلندر قدس سرہٗ کے سالانہ فاتحہ کی محفل سماع ہو رہی تھی حضرت وارث! لا نبا ہو تا نانا

شاہ حبیب حیدر قلندر قدس سرہٗ شمع محفل تھے۔ قوال نے حضرت خسرو کی یہ غزل گائی

چاند ہو وہ رُخ زیبا ہی نہیں
کوئی بھی دیکھنے والا ہی نہیں

حاضرین محفل پر ایک عجیب کیف و سرور طاری تھا کہ قوال نے مقطع پڑھا۔

بے وفا ہو کے سنورتے کیا ہو
تم نے خسرو کو سنوارا ہی نہیں

ان کی یہ عرض قبول ہوئی اور وہ اس طرح سنوار دیے گئے کہ ایک مہینہ بھی نہ گذرا تھا کہ ۱۹ صفر کو بیٹھے بیٹھے دفعتاً قید ہستی کے تمام قیود و پابندیوں اور تعینات کے بندھنوں سے آزاد ہو کر معشوق حقیقی سے جا ملے اور اس شعر کی سچی و مکمل تصویر بن گئے

یک روحی یاروں کو دکھلاؤں میں
کہ بُو ہو کے غنچے سے اُڑ جاؤں میں

۲۲ محرم ۱۳۵۴ھ / ۱۹۳۵ء کے بعد ہی سے بار بار ہر قلبی تعلق رکھنے والے سے بڑی مسرت سے کہا کرتے کہ "اب چل چلاؤ ہے" بعض قریبی حضرات سے تو یہ بھی کہا کہ "میں ایسا انتقال کرنے والا ہوں کہ لوگ تماشا دیکھتے رہ جائیں گے ہستی سے عدم کی راہ کوئی دشوار نہیں ہے ایک پیر یہاں رکھا اور ایک وہاں اور یہ پہنچ گئے ۔"

ایک مرتبہ ایک مکتوب میں اپنے پھوپھی زاد بھائی مولوی محمد عالم صاحب قیصری کو لکھا اور یہ درخواست کی کہ اس خط کو حضرت صاحب قبلہ (شاہ حبیب حیدر قلندرؒ) کی خدمت میں پیش کر دیجیے گویا اصل مخاطب وہی ہیں۔ اس خط میں جہاں اپنے دوسرے دنیوی مسائل کا تذکرہ کیا ہے وہیں آخر میں لکھتے ہیں۔

تیور ملاحظہ ہوں :-

"جو کچھ میرا خیال ہی پورا ہو کر رہے گا اور اب اس کے واقع ہونے کا وقت آگیا ہے جام لبریز ہو چکا ہے آپ الزامات دے کر الگ ہو جائیے اسی میں مفر ہے۔ بجز اس کے اور کوئی صورت نہیں ورنہ وقت کا سامنا ہے میں اپنی جان کو کسی نہ کسی طرح نکال پھینکوں گا آپ انشاء اللہ عنقریب سن لیں گے۔ اب میرے کمزور دل و دماغ اور شکستہ قلب میں اتنی طاقت نہیں ہے کہ آپ کے وعدوں کے انتظار میں رگڑا کروں جب تک ہو سکا کرتا رہا۔ خدا حافظ و ناصر"

درج بالا سطور سے مکتوب الیہ (مخاطب) سے ان کی معاملت کا پتہ چلتا ہے حضرت خسرو کا یہ قول پورا ہوا۔

۱۹ صفر ۱۳۵۴ھ / ۲۳ مئی ۱۹۳۵ء کی صبح کو حسب معمول غسل کیا کپڑے بدلے عطر لگایا اور دیر تک بچوں (پسران و دختران مولوی محمد عالم صاحب قیصری) سے کھیلتے رہے اس کے بعد ۱۰-۱۱ بجے کے قریب لیٹ کر دو تین بار لفظ "اللہ ہو" کہا اور سکوت اختیار کر لیا۔ ان کے انتقال پر ان کا یہ شعر ان کے حسب حال ہو گیا۔

ہائے خسرو کی زباں موت سے بھی رک نہ سکی
ایک ہچکی میں کہا زیست کے افسانے کو

خادمین سمجھے کہ آپ پر بے ہوشی طاری ہو گئی ہے فوراً خانقاہ کاظمیہ پر اطلاع کی حضرت شاہ حبیب حیدر قلندر جو یار غار بھی تھے سخت مضطرب و بے چین ہو کر فوراً ان کی کوٹھی واقع محلہ دلی نگر کے لیے پا پیادہ روانہ ہوئے۔ اسی اضطراب و بے چینی میں راستہ میں ایک حکیم کے مطب میں خلاف معمول داخل ہو گئے

حکیم صاحب آپ کی اس غیر متوقع آمد پر گھبرا گئے آپ ان کو ہمراہ لے کر جب ڈالی
نگر پہنچے تو حضرت خسرو تمام تعینات سے آزاد ہو چکے تھے۔ آپ نے مولوی
ضیاء الدین حیدر[1] صاحب عباسی (ڈائریکٹر ایگری کلچر) سے جو آپ کے ہمراہ تھے
آبدیدہ ہو کر نعش کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ اگر یہ کہیے تو کیا بے جا ہو،

ہم نے مانا کہ تغافل نہ کرو گے لیکن

خاک ہو جائیں گے ہم تم کو خبر ہونے تک

بعد میں جب خانقاہ پر واپس تشریف لائے تو مولوی صاحب موصوف
ہی سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ ابا (والد ماجد حضرت مولانا حافظ شاہ علی انور قلندر)
نے تو فرمایا تھا کہ ہم نے حبیب و معراج کی روح ایک کر دی ہے۔ اسی وقت باخبر مسترشدین
کو خدشہ ہو گیا کہ روح میں مفارقت کہاں اور وہی ہوا کہ جدائی نہ برداشت

---

[1] مولوی ضیاء الدین حیدر صاحب عباسی کا سال ولادت ۱۲۹۷ھ / ۱۸۸۰ء ہے فارسی اور عربی
کی تعلیم اپنے پیر و مرشد حضرت مولانا حافظ شاہ علی انور قلندر سے حاصل کی مرشد برحق کی توجہ
و عنایت سے بچپن سے ہی تصوف کا مذاق پیدا ہو گیا چنانچہ اپنے مرشد زادہ حضرت مولانا شاہ حبیب حیدر
قلندر کے روبرو اس ذوق کی تکمیل کی انگریزی تعلیم انٹرنس تک حاصل کی۔ سرکاری ملازمت
شروع کی مختلف مقامات پر رہ کر اپنے حسن انتظام اور لیاقت ذاتی سے بھوپال سے نائب
ناظم زراعت کے عہدہ (ڈپٹی ڈائریکٹر) سے پنشن پائی (حضرت شاہ حبیب حیدر قلندر کے
حسب فرمائش ملازمت ختم ہونے سے دو سال پیشتر ہی پنشن لے کر خانقاہ کاظمیہ پر خانہ نشین
ہو گئے اور مدت العمر آستانہ شریفہ پر خدمت گذاری کی) اپنے نفس پر بہت جابر،
عقیدت اور خلوص میں نہایت پختہ اتباع اور پیروی میں فرد اور صبر و ضبط میں
مشہور تھے۔ ۱۳۶۲ھ / ۱۹۴۲ء میں وفات پائی اور خانقاہ میں آسودۂ خواب ہوئے،

ہو سکی اور حضرت اقدس نے بھی ایک ماہ نہ گزرا تھا کہ ۱۸ ربیع الاول کو اَلموت

جسرٌ یوصل الحبیب الی الحبیب (موت ایک ایسا پل ہے جو دوست

کو دوست سے ملا دیتا ہے) کی وجہ سے وصال فرمایا قدس اللہ تعالیٰ سرہما۔

حضرت خسرو زندگی بھر ایک جان دو قالب رہے، ایسے خوش قسمت تھے کہ

زندگی کے بعد بھی ایسا قرب ملا کہ حضرت حافظ شاہ علی انور قلندر قدس سرہ کی

درگاہ کے باہر چبوترہ پر حضرت شاہ حبیب حیدر قلندر کے پائیں آسودہ خواب ہوئے

سرہانے علامہ میر نذر علی درد [۲۰] کاکوروی مرحوم کا قطعۂ تاریخ وفات کندہ ہے۔

حیف آں مردِ مخیر رفتہ — داشت اُو جملہ صفاتِ خسرو

۱۳۵۴

دردِ دل گفت ز روئے افسوس — سالِ تاریخ وفاتِ خسرو

حضرت اقدس پر جدائی کا غم اس قدر شاق گزرا تھا کہ ان کی وفات کے بعد سے

اپنے وصال تک کبھی کسی نے چہرہ پر کسی قسم کی جاتی شگفتگی نہ دیکھی۔

۲۰۔ مکرم احمد صاحب بن حکیم حبیب علی علوی کاکوروی ۱۳۱۰ھ/ ۱۸۹۲ء میں اٹاوہ میں پیدا ہوئے دنیائے ادب میں اپنے تاریخی نام میر نذر علی سے معروف ہوئے ابتدائی تعلیم اپنے بڑے بھائی حکیم وصی علی علوی صاحب سے حاصل کی پھر مزید تعلیم کے لیے اپنے بھائی رضی علی صاحب علوی اخگر کے پاس رام پور گئے۔ ۱۹۲۷ء میں رام پور سے اورنگ آباد دکن چلے گئے وہاں محکمہ امور مذہبی سے متعلق ہو گئے۔ ۱۹۴۸ء میں پولیس ایکشن کے بعد پاکستان چلے گئے۔ ۲۷ جون ۱۹۷۲ء کو وہیں وفات پائی۔ درد صاحب تقریباً تیس [۳۰] مطبوعہ کتابوں کے مصنف و مولف تھے، شاعری میں مولوی شریف الدین کاکوروی سے تلمذ تھا ہندوستان کے موقر و معیاری ادبی رسائل میں برابر آپ کی غزلیں و نظمیں شائع ہوتی تھیں حضرت مولانا حافظ شاہ علی انور قلندر کاکوروی سے بیعت تھی۔

حضرت خسرو نے اس کی پیشین گوئی بہت پہلے ہی اپنے خود نوشت دیوان میں ایک شعر سے کردی تھی (اگرچہ بعد میں انھوں نے وہ شعر نہ معلوم کیوں قلم زد کردیا تھا)

قیامت ڈھائے گا خسرو کسی کے قلب نازک پر

ترا مرحوم ہو جانا ترا مغفور ہو جانا

حضرت خسرو بڑے خوش قسمت تھے کہ انھیں حضرت امیر خسرو کی طرح وہ قیامت خیز دن نہ دیکھنا پڑا ورنہ شاید وہ ایک لمحہ بھی زندہ نہ رہ سکتے۔ ان کی زندگی کے اکثر واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ وہ پہلے ہی مصمم ارادہ کر چکے تھے کہ پہلے وہی عالم ناسوت کو خیرباد کہتے ہوئے "یَا اَیَّتُھَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّۃُ ارْجِعِیْ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَۃً مَّرْضِیَّۃً (اے نفس مطمئنہ اپنے رب کی طرف ہنسی خوشی چلا چل) پر لبیک کہیں گے۔

حضرت خسرو کی وفات پر ان کی ہر دل عزیزی کی بنا پر بکثرت لوگوں نے مرثیے اور تاریخیں کہیں۔ ذیل میں صرف چودھری صابر علی سندیلوی صاحب (۱۹۵۰ء) کا کہا ہوا مرثیہ درج ہے جو جہاں پر سوز ہے وہاں ایک حد تک حضرت خسرو کی شخصیت، سیرت اور کردار کا آئینہ دار بھی ہے۔

اے حقیقت[1] آہ تو نے آج چھاپی وہ خبر
جس کو پڑھ کر دل ہوا بیتاب اور ٹکڑے جگر

صدمہ جاں کاہ ادھر اور عالم حیرت ادھر
پڑھنے والا رہ گیا ہاتھوں سے دل کو تھام کر

آسماں کیوں پھٹ پڑا اک دم میں یہ کیا ہو گیا
تختہ کاکوری کا گویا زیر و بالا ہو گیا

حضرت خسرو نے فرمایا جہاں سے انتقال
اٹھ گیا اک نام آور جل بسا اک خوش خصال

ہمت مردانہ میں ملتی نہیں جس کی مثال
ایسا دریا دل کہ جس کو کہتے ہیں بحر نوال

گلبن باغِ امارت ماہِ چرخِ عزوشاں
زندہ دارِ نام آبا یادگار خانداں

---

[1] حقیقت اخبار (لکھنؤ) مدیر انیس احمد عباسی کاکوروی مرحوم

آہ وہ ہنستا ہوا چہرہ ہے اب زیرِ زمیں
چشمِ عالم نے نہ دیکھا تھا جسے اندوہگیں

گفتگو تھی فرحت افزا ہر دلہائے حزیں
ننگ تھی روئے شگفتہ کے لیے چیں جبیں

بات کی اور دور دل سے رنج پنہاں کر دیا
آ گئے جس بزم میں اس کو گلستاں کر دیا

اے فلک معراج دیں تو تھے ابھی بالکل جواں
کچھ ضعیفی اور پیری کے نہ تھے ظاہر نشاں

تن نہ کاہیدہ نہ چہرے پر پڑی تھیں جھریاں
تھی ابھی فصلِ بہار اور چل گئی بادِ خزاں

کچھ کھلا آزار اور ظاہر نہ بیماری ہوئی
بس اچانک یہ خبر آئی کہ تیاری ہوئی

کیا کہیں صابر کہ دل کو کس قدر ہو رنج و غم
حال کیا اپنوں کا ہوگا جب ہو غیروں کو الم

اُن کی ہستی اس زمانہ میں تھی بیشک مغتنم
اور پھر اس عمر میں آنا اجل کا ہے ستم

گلشنِ دنیا میں وہ مثلِ گلِ خنداں رہے
ہو دعا جنت میں یوں ہی روح بھی فرحاں رہے

شخصیت

حضرت خسرو کی شخصیت کے بارے میں کچھ لکھنا آفتاب کو چراغ دکھانے کے مانند ہی۔ ان کے کلام میں ان کی پوری شخصیت جلوہ گر ہی۔ ان کی شوخیِ طبع اور رندانہ طبیعت کا اُن کے کلام میں جا بجا ذکر ہی۔ امورِ باطنیہ میں اپنے پیر مرشد اور حضرت سلطان المحبوبین مولانا شاہ حبیب حیدر قلندر قدس سرہٗ سے فیض یاب تھے۔ جس کی وجہ سے توحید و نسبت میں کامیاب اور رندی و بے باکی اور خالص یکتائی و اتحاد، عالی ہمتی، یک رنگی اور ترقیاتِ روحانی میں نفاست و نزاکت اور لطافت و صرافت میں عدیم المثال تھے۔ ظرافت و خوش مزاجی اور خودداری و وقار میں مشہور تھے۔ اَللّٰہُ جَمِیْلٌ وَّیُحِبُّ الْجَمَالَ (اللہ تعالیٰ حسین ہی اور حسن کو پسند کرتا ہی) کے مصداق حسنِ ظاہری سے بھی خوب نوازے گئے تھے۔ حسنِ خداداد کی بنا پر جامہ زیبی ایسی تھی کہ جو لباس زیبِ تن کرتے وہ پھوٹا پڑتا تھا جس پر خود

انھیں کی زبان میں کہنا پڑتا ہے۔

اللہ اللہ وہ جمال دل فریب
دیکھئے ایسا کہ دیکھا کیجئے

باطنی اوصاف کے ساتھ ہی ساتھ جمالِ ہم نشیں نے ظاہری اوصاف مثلاً لیاقت، ذہانت، عفت، غیرت، دیانت، سخاوت۔ فیاض دلی، فراخ دستی، زندہ دلی۔ بلند خیالی اور خوش خلقی وغیرہ سے بھی متصف کیا تھا۔ مزاج میں بے حد صفائی اور نفاست تھی جس کا آئینہ دار ان کا درج ذیل شعر ہے۔

مجھ سے پوچھے نہ کوئی شرح محبت میری
نکہت گل سے بھی نازک ہے طبیعت میری

سخاوت و فیاضی کے ہزاروں ایسے واقعات ہیں جن کے بیان میں خوف طوالت ہے۔ بے اندازہ دولت۔ قوالی میں حالت حال میں پھینک دی۔ نظر میں زر و جواہر کی قیمت کوڑیوں سے بھی کم تھی۔ ہر سال ماہ محرم میں ہزاروں روپیہ نذر و نیاز شہدائے کربلا میں خرچ کرتے اور خیر و خیرات کرتے تھے۔ بذلہ سنجی۔ لطیفہ گوئی، مزاح اور حسن گفتگو میں سراپا باغ و بہار تھے۔ حضرت خسرو کا ان شخصیتوں میں شمار تھا جن کی ذہنی کیفیات، روحانی واردات اور حال کا سمجھنا بہت مشکل ہے۔

نہیں سہل ناصح جنوں کی حقیقت
سمجھ جایئے گا تو سمجھایئے گا

وہ باہوش بھی تھے اور بے ہوش بھی۔ بے خودی اور ربودگی، سادہ کاری اور سادگی بہ یک وقت ایک ذات میں جمع ہو گئے تھے اور "اپنے" سے بصد شوخی کہا کئے۔

اس قدر برہم نہ ہوں خسرو سے آپ
بات دیوانے کی سمجھا کیجئے

ان کے ایک معاصر اور ادبی دنیا میں مشہور و معروف ہستی جناب سید تمکین کاظمی حیدرآبادی کا وہ مضمون جو انھوں نے سالنامہ "ادبی دنیا" ۱۹۳۷ء لاہور میں "نواب حسین نواز جنگ مرحوم اور ان کی شاعری" کے عنوان سے قلم بند کیا تھا بہت کچھ ان کی شخصیت کا آئینہ دار ہے۔ قارئین کی دلچسپی اور معلومات کے خیال سے اس مضمون کے چند جملے درج ذیل ہیں جن سے حضرت خسرو کی اصل شخصیت ایک حد تک سمجھ میں آسکے گی۔

"نواب حسین نواز جنگ بہادر کی ولادت بھی لکھنؤ ہی میں ہوئی اور تعلیم و تربیت بھی وہیں ہوئی۔ فارسی اچھی جانتے تھے عربی بھی پڑھی تھی۔ انگریزی کی استعداد بھی اچھی تھی لکھتے تو بالکل نہ تھے مگر بولتے خوب تھے اردو کے کیا کہنے پہلے تو مادری زبان پھر کاکوری کے ذی علم اور شریف گھرانے کی پیدائش۔ چونکہ کاکوری لکھنؤ ہی کا ایک محلہ کہلا سکتی ہے اس لیے مرحوم کی زبان بالکل لکھنؤ کی ٹکسالی زبان تھی۔ مطالعہ کا شوق بہت تھا۔ تفریحی ادب (لائٹ لٹریچر) کا مطالعہ بہت کرتے تھے۔ شاعری سے بہت لگاؤ تھا۔ ذوق شعر بڑا اچھا تھا۔ چوں کہ امیر گھرانے میں پیدا ہوئے تھے۔ اس لیے کھانے کھلانے، پہننے، پہنانے کا شوق بھی بہت تھا۔ نہایت کم خوراک تھے۔ دو دو ہی نوالے کھاتے مگر لذیذ سے لذیذ اور عمدہ سے عمدہ۔ دنیا میں ان کے محبوب مشغلے دو ہی تھے "کھانا اور گانا" بہترین کھانے پکواتے خود کھاتے۔ دوسروں کو کھلاتے اور گانا سنتے۔ ہمیشہ دسترخوان پر دس بارہ آدمی رہتے۔ تنہا کھانے کے عادی نہ تھے۔ اکیلے میں ایک نوالہ بھی ان کے حلق سے نہ اترتا تھا۔ یہی حال گانے کا تھا۔ خود گاتے نہ تھے اور نہ گانا جانتے تھے مگر طبیعت کو ایک خاص لگاؤ تھا۔ اچھے برے کی تمیز فوراً کر لیتے تھے

کسی نے گاتے ہوئے ذرا لغزش کی اور انھوں نے ٹوکا۔ اردو بڑی اچھی لکھتے تھے اور برداشتہ قلم لکھنے کے عادی تھے۔ خط بڑا پاکیزہ اور خاصہ پختہ تھا۔ کپڑوں کا شوق بھی بہت تھا مگر طبیعت شوخ رنگوں کی طرف زیادہ راغب تھی۔ بیل بوٹی اور پھول دار کپڑوں کی رنگین شیروانیاں دھاری دار ریشمی قمیص بہت پہنتے تھے۔ مگر کپڑوں کے پہننے سے زیادہ تقسیم کرنے کا شوق تھا۔ اپنے ملنے والے دوستوں اور خاص خاص ماتحتوں سے سلوک کر کے بہت خوش ہوتے تھے۔ تحفے دینے کا بھی بہت شوق تھا کتابیں، قلم، سگریٹ کیس، ڈبیاں، پان دان غرض مختلف قسم کے تحائف اپنے احباب اور ماتحتوں کو ہمیشہ دیا کرتے تھے۔ میزبانی کا شوق بھی تھا لوگوں کو بلا بلا کر مہمان رکھتے اور مہمانوں کی ہر قسم کی تکلیف کا خیال رکھتے تھے۔ طبیعت میں نفاست اور صفائی بہت زیادہ تھی۔ کھانا، کپڑا، مکان ہر چیز نفیس رہتی تھی۔ عطر اور پھول بھی بہت پسند تھے۔ ہمیشہ بڑھیا سے بڑھیا عطر استعمال کرتے تھے۔ دفتری کام سے تفصیلی طور پر واقف تھے مال کے کام کا تجربہ بھی خاصا تھا۔ صفحوں کے صفحے اور لمبے لمبے فیصلے کہہ کر لکھوایا کرتے تھے۔ اخلاق نہایت اچھے تھے۔ بزرگانِ دین سے بڑی عقیدت تھی خواجہ دکن حضرت گیسو دراز کی بارگاہ میں ہر ہفتہ حاضری دیتے تھے۔ ہر مہینہ بزرگانِ دین کی نذر و نیاز ہوتی تھی۔ قلندریہ گھرانے میں بیعت تھی اور اس سلسلہ کا بڑا احترام کرتے تھے۔ کیرکٹر نہایت مضبوط تھا۔ تقریباً تین ساڑھے تین سال تک مجھے مرحوم کے ساتھ رہنے کا اتفاق ہوا مگر میں نے ان میں کوئی اخلاقی کمزوری نہیں پائی۔ اپنی وضعداری خاندانی وجاہت اور نسبی وقار کا ہمیشہ خیال رکھتے تھے اور حد درجہ کے پاکباز تھے۔

یہ تھا اُن کے سیرت و کردار کا ایک مختصر خاکہ

شاعری

اشعار نہیں ٹکڑے ہیں یہ دل کے جگر کے　　خسرو یہ تری طبع رسا اور ہی کچھ ہے

حضرت خسرو کا دور ادبی و ثقافتی لحاظ سے کاکوری کا زریں دور تھا۔ انھوں نے والد گرامی سے ورثہ میں ملکۂ شاعری پایا۔ دس گیارہ سال کی عمر سے شعر کہنا شروع کیے۔ خانقاہ کاظمیہ کی حلقہ بگوشی و خادمیت کے بعد یہ شاعری نکھری اور ایسی سنوری کہ مشاطۂ سخن کو مختصر سی آرائش خم کاکل کی ضرورت پڑی۔

رندی و سرمستی، ربودگی و ہوشمندی، بیخودی و بیداری، سادگی و پرکاری وغیرہ تو صاحب غزل کی روح کی خصوصیات ہیں اور جب یہی مزاج شاعری اشعار کے قالب میں سج سجا کر منصۂ شہود پر جلوہ آرا ہوتا ہے تو وہ سامعہ نواز بن کر تخیل کے لیے جنت نگاہ و فردوس گوش بن جاتا ہے۔ یہ خیالات کی رنگینی اور الفاظ کا خارجی و داخلی آہنگ جب ہیئت و خیال سے ہم آغوش ہوتے ہیں تو شعر دل میں تیر کی طرح در آتا ہے۔ صدق جذبات، پاکیزگیٔ خیالات، لطافتِ روح سب آئینۂ اشعار میں عکس فگن ہو کر قاری و سامع کو ایسے بلند مقام پر لے جاتے ہیں کہ انھیں شاعر کی لطافت روح کا اندازہ ہو جاتا ہے پھر اگر کسی محشر بہ دامن خرام ناز، کسی جمال دل فروز صورت مہر نیم روز سے جو اپنی پوری تابانی اور درخشانی سے جلوہ ریز ہو شاعر کا دل رقص کناں ہو جائے تو پھر اس کے کلام میں سوز و ساز، تڑپ، تپش اور تب و تاب کی ساری خصوصیات نمایاں ہو جاتی ہیں۔

حضرت خسرو کے کلام میں یہ تمام محرکات بدرجہ اتم موجود ہیں۔ ان کی شاعری کے موضوعات محبت الٰہی و عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم، حسن و عشق کی شیریں داستان عاشق و معشوق کے رموز و کنایات اور حقائق و معارف کے دقیق ترین مسائل کو سلیس

اور عام فہم آسان زبان میں پیش کرنا ہیں وہ اس خانقاہ سے وابستہ ومنسلک تھے جس کی تعلیمات کا بنیادی اصول یہ رہا ہو کہ ع

خوشتر آں باشد کہ سِرِّ دلبراں
گفتہ آید در حدیثِ دیگراں

اسی لیے ان کے کلام میں سرمستی و ربودگی کا ایک بحرِ زخار نظر آتا ہے۔ حقائق و معارف کے باریک سے باریک نکتے اور تصوف کے دقیق مسائل اندر ہی اندر حل ہوتے چلے جاتے ہیں۔ زندگی کے نشیب و فراز ایک شاعر کو کیسے کیسے ہچکولے دیتے ہیں اور اس کی زبان، اس کے طرز فکر اس کے انداز بیان پر ان تغیرات و حوادث کا اثر ہر طرح نمایاں ہو جاتا ہو لیکن حضرت خسروؔ کے یہاں چوں کہ نظر از ابتدا تا انتہا اعلیٰ علیین پر ہو اس لیے زندگی کا ہر موڑ ایک نئی کیفیت ایک نئی دیوانگی اور ایک نیا شعور باطنی لاتا ہو کلام میں تبدیلی آتی تو ہو لیکن بیان کی آن بان میں ذرا بھی تبدیلی نہیں آنے پاتی۔ کلام کی سب سے بڑی خوبی یہ ہی کہ بات نامرادی وغم و الم کی ہو یا فرحت و سرور اور انشراح و انبساط کی شعریت اور تغزل کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوٹنے پاتا۔

کلام میں اصغرؔ و حسرتؔ کے مضامین تصوف و غزل، جگرؔ کی سرمستی، جلیلؔ کی شوخی سبھی کچھ ملتے ہیں بلکہ بعض جگہ ان کا طرز بیان ایسا اچھوتا اور مضامین اس قدر بلند ہیں کہ کسی معاصر شاعر کو حاصل نہیں ہوتا۔ وہ شعر برائے شعر و اے سخن ور نہ تھے بلکہ ایک عارف باللہ تھے جن کا کلام اگر ایک طرف نکتہ ہائے معرفت و حقیقت سے معمور ہو تو دوسری طرف فن شاعری کی تمام لطافتوں اور ندرتوں سے مزین ہو۔

کسی جمال ازل کے پرتو نے دل میں ساز آرزو چھیڑ کر خود سکوت و خاموشی اختیار کر لی اور دل باختہ عاشق جگر تھام کر بیٹھ گیا۔ صبر و قرار سلام کر کے وہاں سے

رخصت ہو گئے۔ قلب کو اس محرومی نے شکستگی کی بے بہا دولت عطا کی بخت خفتہ کو عشق کی دولت بیدار میسّر ہوئی اور ذوق شاعری کو محبت وچاہت کی صیقل سے وہ صفائی کامل ملی کہ ہستی شاعر بھی محبوب کا نقش ثانی بن گئی نسبت جسمی نے کلام میں بے پناہ سوز وگداز اور درد پیدا کیا۔ نایافت کے احساس نے اشعار کو ایسا دل دوز پر سوز بنا دیا کہ سننے والا و پڑھنے والا تڑپ اٹھتا۔ اپنے عشق کی چنگاریوں سے خام دلوں میں بھی محبت کی آگ بھڑکا دی اور ان کو گدازیٔ قلب کی دولت نایاب سے ہم کنار کیا ؎

دود آرہ سینۂ سوزان من
سوخت ایں افسردگان خام را

درج ذیل غزل میں حضرت خسروؔ کے واردات قلبی ملاحظہ ہوں

چاند ہو وہ رُخِ زیبا ہی نہیں	کوئی بھی دیکھنے والا ہی نہیں
آنکھوں آنکھوں ہی میں پی لیتا ہوں	جام سے ہاتھ سے چھوتا ہی نہیں
اُڑ گئی ہاتھ سے رنگت قاتل	اپنے خوں کا مجھے دعوا ہی نہیں
آئینہ حسن کا میں بن جاتا	آپ نے بزم میں دیکھا ہی نہیں
جان میری ہو ادا دل پہ نثار	تم نے صدقہ تو اتارا ہی نہیں
بے وفا ہو کے سنورتے کیا ہو	تم نے خسروؔ کو سنوارا ہی نہیں

ابتدا میں انھوں نے مولوی شریف الدین صاحب[21] علوی شریف کاکوروی

---

(۲۱) مولوی شریف الدین صاحب علوی از بنائر حاجی امین الدین محدث کاکوروی ۱۲۸۷ھ ۱۸۷۰ء میں پیدا ہوئے۔ تین سال کی عمر میں حضرت شاہ تقی علی قلندر سے بیعت ہوئے۔ تعلیم و تربیت اپنے جدا مجد اور حضرت مولانا حافظ شاہ علی انور قلندر و مولوی حفیظ اللہ اعظم گڑھی سے پائی۔

سے اصلاح سخن لی۔ کچھ غزلیں والد ماجد منشی تاج الدین صاحب جذب نے ملاحظ فرمائیں۔ آغا سید علی شوستری ایرانی، اور صفی لکھنوی سے بھی تلمذ حاصل تھا حیدرآباد کے دوران قیام کچھ غزلوں میں، حافظ جلیل حسن جلیل مانک پوری (م ۱۹۴۶ء) سے بھی اصلاح لی تھی۔ استاد سے شوخی معاملہ بندی، حسن و عشق کی نوک جھونک سیکھی۔ سچ پوچھیے تو جلیل کا اصلی رنگ ان کے شاگردوں میں سب سے زیادہ انھیں کے کلام میں جھلکتا ہے جس کی ایک وجہ ان کی شوخ طبعی، عشق نوازی اور وہ عشق جو آہنگ رندی ہو جائے ہے۔

غزل کی تمام رعنائیاں اس کے جملہ موضوعات وہ رندی ہو یا عاشقی وہ واعظ مولوی پر طنز خفی و جلی ہو یا تصوف کے پیچیدہ مسائل سب ان کے کلام میں اپنے تمام فنی محاسن کے ساتھ جلوہ گر ہیں۔ ان کے کلام کی نمایاں خصوصیات اور ان کا منفرد طرز ادا ان کی انفرادیت کے مظہر ہیں وہ ہمیشہ بے نیاز رنگ دنیا رہے۔ اسباب ہستی کو ہمیشہ لٹاتے رہے۔ جب دنیوی عروج کی معراج پر پہونچے تو دل کو اسباب ہستی سے یکسر فارغ رکھا۔ بے دریغ دولت لٹائی ہزاروں کا سامان مفت دے کر اپنے کو الفت محبوب میں غرق کر دیا۔ پھر جب سیلاب محبت اٹھا تو ہستی کی ہر شے کو بہالے گیا صرف

عربی متوسطات اور فارسی کی پوری تحصیل کی۔ شاعر بہت اچھے تھے۔ فن شاعری میں مولوی محی الدین خاں ذوق (م ۱۳۰۳ھ / ۱۸۸۶ء) سے تلمذ تھا تاریخ گوئی میں اپنے استاد کی طرح بہت ملکہ تھا۔ ایک رسالہ "ہمارے اخلاق" طبع ہو کر شائع ہو چکا ہے دوسرا رسالہ مناقب جناب امیر کرم اللہ وجہہ میں لکھ رہے تھے مگر مکمل نہ ہو سکا اور پروانہ اجل آپہنچا۔ وکالت کا امتحان اعلیٰ نمبروں سے پاس کیا اور رامپور میں وکالت بھی کچھ عرصہ کی اپنی ذہانت و طباعی سے بڑی شہرت پائی۔ ۱۳۳۴ھ / ۱۹۱۶ء میں کاکوری میں ہی وفات پائی۔

ایک محبت ہی اس کم مائیگی میں رفیق سفر رہ کر مستی کو فروزاں اور شعلہ فشاں کرتی رہی اور وہ عارف کامل حضرت مولانا جلال الدین رومی کی زبان میں بصد ناز و افتخار یہ کہتے رہے۔ ع

بارو‌ئے تو ز سبزہ و گل زار فارغیم — با عشق تو ز بادہ و خمار فارغیم
خانہ گرو نہادہ و در کوئے تو مقیم — دکاں خراب کردہ واز کار فارغیم
نقدے کہ داشتیم بہ یغما ببرد عشق — از سود و از زیان و ز بازار فارغیم
با نور روئے مفخر تبریز شمس دیں — از آفتاب و گنبد دوار فارغیم

اسی حالت سرمستی و بے خودی کی ایک غزل ملاحظہ ہو۔ مقطع کا شعر شاعرانہ تخییل سے بالاتر اور حضرت خسرو کے اس اصلی حال کا مکمل آئینہ دار ہے جو وقت وفات تھا۔

جنوں خیز وحشت کا ساماں کریں گے — گریباں میں پیدا گریباں کریں گے
قفس میں نشیمن کا رونا ہی کیا ہے — چھٹیں گے تو رہنے کا ساماں کریں گے
الجھتے ہیں الجھا کریں خار صحرا — ہم اب لے کے کیا جیب و داماں کریں گے
رہی ضد اگر بخیہ گر کو اسی کی — تو ہم اور پرزے گریباں کریں گے
دم تیغ عریاں سے زندہ رہیں گے — تجھے آج قاتل پشیماں کریں گے
وہ کہتے ہیں کوئی جو چھیڑے گا ہم کو — تو ہم اپنی زلفیں پریشاں کریں گے
گلے پہ چھری جن سے پھرتی نہیں ہے — مری مشکلیں کیا وہ آساں کریں گے

اگر نیند آئے تو سو جاؤ خسرو
وہ جلوے دکھائیں گے حیراں کریں گے

درج ذیل غزل میں اپنی شخصیت کا تجزیہ یوں ہو رہا ہے، جذبات عشقیہ کی تکمیل ہر ہر شعر میں اپنی جھلک صاف دکھلا رہی ہے

مجھ سے پوچھے نہ کوئی شرح محبت میری
نکہت گل سے بھی نازک ہو طبیعت میری

حسن کے دل سے کوئی پوچھے عظمت میری
عشق ہوں عشق حقیقت ہو حقیقت میری

اے خدا بخش دے تو سب غم کونین مجھے
دیکھ لے حسن جفا کار بھی ہمت میری

جس نے دیکھا ہو تجھے تیرے سوا کیا دیکھے
کس قیامت کی ہو اللہ رے غیرت میری

جانتا ہوں ترے حسن چمن آرا کی بہار
کارفرما ہے محبت ہی محبت میری

جان جائے گی مری آپ بھی رسوا ہوں گے
محفل غیر میں زیبا نہیں شرکت میری

کیا کروں گا مے و معشوق سے خسرو توبہ
کبھی بھرتی نہیں کمبخت یہ نیت میری

سب سے پہلے ایک وعدہ کیجیے
دل کے تڑپانے سے توبہ کیجیے

زندگی پر کیف بنتی ہے یوں ہی
کیجیے خون تمنا کیجیے

انگلیاں اٹھنے لگی ہیں بزم میں
یوں مری جانب نہ دیکھا کیجیے

اللہ اللہ یہ جمال دل فریب
دیکھیے ایسا کہ دیکھا کیجیے

اس قدر برہم نہ ہوں خسرو سے آپ
بات دیوانہ کی سمجھا کیجیے

حسن و عشق کے معاملات جس رکھ رکھاؤ سے اس غزل میں ادا کیے گئے ہیں اور جس سلیقے سے عاشق کے انداز نیاز کا اظہار کیا گیا ہے وہ آپ اپنی جگہ ایک طرفگی اور ندرت کی حامل ہے۔ مطلع کی بے ساختگی ملاحظہ ہو ؎

سب سے پہلے ایک وعدہ کیجیے
دل کے تڑپانے سے توبہ کیجیے

کس قدر معصوم التجا ہے کہ تڑپنے اور تڑپانے کا رنگین مشغلہ حد سے

بڑھ کر آزار دل بنتا جا رہا ہو لہٰذا ناصبوری کے ہاتھوں مجبور ہو کر ایک ایسا وعدہ لینا چاہتے ہیں جو کبھی شرمندہ ایفا نہ ہو گا اور نہ ہو سکتا ہو۔ دل کے تڑپانے سے توبہ بھلا کس محبوب نے کی ہو جو جان خستہ سے اس کی امید کی جائے۔

دوسرے شعر میں وہ چونک اٹھتے ہیں اور سوچتے ہیں کہ ان کی رنگینئ حیات اور کیف زندگی تو اسی جور و جفا میں مضمر ہو اور اگر یہ انداز دلبری نہ ہو تو پھر کیف عشق اور کیفیت آشفتگی کا کیا مزہ۔ یہ سوچ کر وہ اس ناز دلبری کے تیر پر تیر کھانے کے لیے تیار اور دل کے ہر جبر کے پر جذبہ اور آفریں کہنے کے واسطے آمادہ ہو جاتے ہیں۔ کیجیے کی تکرار نے دوسرے مصرعے میں عجیب لطف پیدا کر دیا ہو کہ مصرع دہراتے جایئے اور اس کی لذت خیال سے لطف اندوز ہوتے جایئے۔ بہ قول ذوق

مزے یہ دل کے لیے تھے نہ تھے زباں کے لیے
سو ہم نے دل میں مزے سوزش نہاں کے لیے

تیسرے شعر میں محاکات کا حق ادا کر دیا ہو۔ محبت کا راز اب چھپائے نہیں چھپتا، رقیباں گوش بر آواز ہیں۔ حسن مقام ناز پر فائز ہو کر خرمن صبر کو پھونک رہا ہو ہر طرف اس راز محبت کے چرچے ہیں۔ بدنامیاں دم نقد ہیں اور ملامت کے سامان مہیا ہیں لہٰذا عاشق عرض پرداز ہے۔

انگلیاں اٹھنے لگی ہیں بزم میں
یوں مری جانب نہ دیکھا کیجیے

مقطع کی بلاغت اور دیوانگی میں ہوش مندی کا جو پہلو جھلکتا ہو اس کو کس انداز میں بیان کرتے ہیں کہ عاشق وارفتگی اور محویت میں خدا

جانے کیا کیا مناسب و نامناسب تمناؤں کے حصول کی کوشش کر رہا ہے۔ مجبور
بڑی کہہ کر ان التجاؤں کو در خود اعتنا نہیں سمجھتا اور دیوانگی کا اتہام بے جا
بجا لگا کر عاشق کو محروم آرزو رکھنے کا تہیہ کیے ہے اور اس دیوانہ پن پر بر
کا اظہار بھی کر رہا ہے لیکن دیوانہ بہ کار خویش ہشیار ہے وہ دیوانہ ہو کر بھی ہوشمند
اور فرزانگی کا دامن تھامے ہے اسی لیے کہتا ہے

اس قدر برہم نہ ہوں خسرو سے آپ
بات دیوانہ کی سمجھا کیجیے

دوسرے مصرعے میں محبوب کی بہ ظاہر نادانی پر طنز بھی ہے اور اس کے
تجاہل عارفانہ پر چوٹ بھی، کیوں کہ کون محبوب عاشق کی بات کو نہیں پاجا
اور کون ناز نیاز مند کے انداز سے باخبر نہیں ہوتا۔ اس پوری غزل میں وہ
تمام خصوصیات جو غزل کو معنویت اور بلاغت کی آئینہ دار بناتی ہیں جن ج
پائی جاتی ہیں، سادگی میں پرکاری، انداز کی رنگینی پوری غزل کو ایک مرصع
نگار خانہ بنا رہی ہیں، جس میں روح عاشق کی تڑپ محبوب کے جلوۂ رنگیں
کی لطافت اور اس کے انداز کی ترنگ بہ کمال وجوہ موجود ہیں۔ یہی رنگ ہے جس
نے حضرت خسرو کی شاعری میں ایک خاص اثر ودیعت کر دیا ہے۔ سہل ممتنع
کی ایسی عمدہ مثال ہے کہ سادہ اور فطری جذبات کو کس سادگی اور صفائی سے
ادا کیا ہے۔ معمولی باتوں کو غیر معمولی طریقے سے ادا کرنا ہی اعجاز شاعری ہے اور یہ
معجز نگاری بندگی "پیر مغاں" کی رہین منت ہے۔

مندرجہ ذیل غزل میں حضرت خسرو کے واردات قلب ملاحظہ ہوں

گل کے مرجھانے پہ بھی گل کی وہ نکہت نہ گئی ‎ ‎ مٹ کے دل خاک ہوا دل سے محبت نہ گئی
اپنے جلوے میں ہوئے محو تماشا ایسے ‎ ‎ آئینہ اٹھ بھی گیا آپ کی حیرت نہ گئی

تو بہ کیا کرتا کہ جینے کا مزا جاتا تھا
دل سے میرے مے معشوق کی چاہت نہ گئی
دل سے رخصت ہوئے ہوش و خرد و صبر و قرار
نہ گئی ہائے مگر اک تری چاہت نہ گئی
مر مٹے ہم مگر اس شوخ کا بدلا نہ مزاج
جور کی خو، نہ گئی ظلم کی عادت نہ گئی

اپنی تقدیر کو روؤں میں کہاں تک خسرد
نہ مٹی دل کی تڑپ شومیٔ قسمت نہ گئی

غرض اُن کی یہی ہو مجھ کو دیوانہ بنا دینا
کبھی چلمن اٹھا دینا کبھی چلمن گرا دینا
شکستہ پر ہوں جانے کی تمنا ہو نشیمن تک
ذرا اے اڑنے والو! اپنے پر سے آ کر اڑا دینا
یہ کوئی کھیل ہے اے چارہ ساز دردِ تنہائی
کسی اچھے بھلے انساں کو دیوانہ بنا دینا
ہماری زندگی کیا ہو ہماری موت کیا شے ہو
تمھاری تیوریوں پر بل تمھارا مسکرا دینا
ستم گر آپ نے دیکھے بھی ہیں ایسے زمانے میں
کسی کا رکھ کے میرا حلق پہ خنجر چلا دینا
انھیں آتا ہو نظریں پھیر لینا دل جلا دینا
ہمیں آتا ہو دل کو تھامنا آنسو بہا دینا

اسے وہ دل میں رکھتا ہو اُسی پر جان دیتا ہو
نگاہ ناز کہتی ہے کہ خسرد کو دُعا دینا

غزل میں تغزل کا رنگ اور غزل کی زبان کا ایک خاص رنگ و آہنگ ہوتا ہو جو اسے دیگر اصناف سخن سے ممتاز کرتا ہو۔ شوخی اور رندی سرمستی و بیخودی کی کیفیات اس آئینہ غزل میں جھلکتی نظر آتی ہیں۔ مندرجہ بالا غزل بھی ان تمام خوبیوں کی آئینہ دار ہو جو دل پر ایک خاص کیفیت طاری کر دیتی ہیں محبوب کی کرشمہ سنجیاں، اس کے ادا و ناز کی نیرنگیاں مطلع میں حسین و دلکش انداز اور لطیف پیرایہ میں بیان کی گئی ہیں۔ مطلع میں افزونی دیوانگی کی وجہ بتاتے ہیں کہ کبھی تو وہ چلمن اٹھا کر خرد و ہوش اور تمکین صبر کی متاع کا راہزن بن جاتا ہو اور کبھی بے حجاب ہو کر چمن دل میں بے حجابانہ درآتا ہو۔

بحر کی روانی، الفاظ کی صوتی و معنوی نغمگی، انداز بیان کا والہانہ پن وغیرہ وہ خصوصیات ہیں جو شاگرد کو استاد (جلیس) کا نقش ثانی بناتی ہیں۔ پوری غزل کی لطافت، تخیلات کی نزاکت اور خیالات کی نفاست بس محسوس کرنے کی چیزیں ہیں جس کا اظہار الفاظ سے ناممکن ہے۔ خاص کر یہ دو شعر ان کے انفرادی مزاج کی بھرپور عکاسی کرتے ہیں۔

ہماری زندگی کیا ہے ہماری موت کیا شے ہے
تمہاری تیوری یوں پر بل تمہارا مسکرا دینا

انہیں آتا ہے نظریں پھیر لینا دل جلا دینا
ہمیں آتا ہے دل کو تھامنا آنسو بہا دینا

پیارے صاحب رشید نے بھی اس مضمون کو باندھا ہے لیکن جو تیکھا پن حضرت خسرو کے شعر میں ہے اس کا اندازہ ارباب نظر ہی کر سکتے ہیں۔

زندگی کیا چیز ہے اور موت کس کا نام ہے
مہربانی آپ کی نامہربانی آپ کی

الغرض حضرت خسرو نہ صرف اپنے عہد کے ایک کامیاب غزل گو شاعر تھے بلکہ ان کے کلام میں ذہنی طرب و نشاط فراہم کرنے والی روایات کا گرانقدر ذخیرہ بھی موجود ہے۔ دوسرے غزل گو شعراء کے مقابلہ میں ان کے یہاں زبان و بیان کی شستگی، بندش کی چستی، خیالات کی نفاست، احساسات کی نزاکت، الفاظ کی عیاں و نہاں غنائیت و موسیقی اور اظہار خیال کی صفائی بدرجہ اتم موجود ہے۔ جو ان کو اردو زبان کے دیگر غزل گو شعرا کی صف میں نمایاں و ممتاز کرتی ہے۔ ان کے عہد میں کاکوری ہی میں غزل گو شعراء کی ایک بڑی صف نظر آتی ہے جن سے موازنہ کرنے پر ان میں منفرد نظر آتے ہیں۔

وہ محبت اہلبیت اطہار سے سرشار ہیں جس کے آئینہ دار ان کے مراثی اور بارگاہ حسینیؑ میں سلام عقیدت ہیں۔ مرثیوں کی امتیازی شان یہ ہو کہ جہاں ایک طرف دلدوز و پرسوز ہیں وہاں دوسری طرف شعریت و غنائیت سے بھی بھرپور ہیں بارہ گاہ حسینیؑ میں ایک سلام کے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

کچھ جو شانِ نگہ لطف دکھائیں شبیرؑ | چاہیں جس خاک کو اکسیر بنائیں شبیرؑ
خواب راحت میں دکھا کر مجھے جلوہ اپنا | میری سوتی ہوئی تقدیر جگائیں شبیرؑ
نکلی جاتی ہیں ان آنکھوں سے نگاہیں میری | آپ کے حسن کی لینے کو بلائیں شبیرؑ
دیکھ لیں مست نظر سے جو سر بزم مجھے | کردیں مدہوش مرے ہوش اڑائیں شبیرؑ

ناز خسروؔ کو محبت پہ ہی قسمت یہ نہیں
روٹھا بیٹھا ہو اسے آکے منائیں شبیرؑ

حضرت خسروؔ کے کلام میں واعظ و مولوی پر طنز خفی و جلی کا بیان بھی بڑے شوخ و لطیف پیرایہ میں ملتا ہو۔ واعظ کو متنبہ کرتے ہوئے فرما رہے ہیں

حور ہو مے ہو خلد ہو واعظ | کہیں ملتی ہے جبۂ سائی سے
میخانہ میں جو آئے ہیں واعظ تو سمجھیے | ورنہ یہاں نہ آئے شیخی بگھارنے

جناب شیخ کے سلسلہ میں کس شوخ انداز سے بیان کرتے ہیں۔

لطف آئے میکدہ میں جو آجائیں شیخ جی | وہ سر ہلائیں میں کہوں تھوڑی جناب اور

ان کے کلام میں تصوف کے مضامین بھی جا بجا موجود ہیں۔

کثرت میں نظر آتی ہے وحدت تیری | ہر آنکھ سے پنہاں نہیں قدرت تیری
ذرہ ہو کہ مہتاب کا آئینہ ہو | ہر شے میں نظر آتی ہو صورت تیری

خود شناسی کے بعد ہی خدا شناسی حاصل ہوتی ہو جب تک نفس کی معرفت نہ حاصل ہو سب بے کار ہو مَنْ عَرَفَ نَفْسَہٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّہٗ (جس نے

اپنے نفس کو پہچان لیا وہ اپنے رب کو پہچان گیا) سے بھی یہی مراد ہے۔ حضرت خسرو کس دل نشیں انداز میں اس کی ترجمانی فرما رہے ہیں۔

مانا کہ تو ہر راز نہاں کو سمجھا | مانا کہ تو راز دو جہاں کو سمجھا
کیا فائدہ لیکن اس سمجھ سے تجھ کو | اب تک جو نہ اپنی جیستاں کو سمجھا

حضرت خسرو کو فن تاریخ گوئی میں بھی خاص ملکہ تھا ذیل میں ان کی تین فارسی تاریخیں درج ہیں اول الذکر تاریخ "احسن الانتخاب فی ذکر معیشتہ سیدنا ابی تراب، مصنفہ حضرت مولانا حافظ شاہ علی حیدر قلندر کی طباعت کے سلسلہ میں اور بقیہ دو تاریخیں" نفائس المنن فی فضائل سیدنا ابی الحسن مولفہ حضرت مولانا حافظ شاہ علی حیدر قلندر کے سلسلے میں ہیں۔

ایں انتخاب احسن و نایاب دیدہ ام | از گلشن علی گل صد رنگ چیدہ ام
خسرو ز دیدایں ہمہ نیرنگی جمال | جام ولائے ساقی کوثر چشیدہ ام

۱۳۵۱ھ

حبیب جان علی حافظ علی حیدر | بہ فیض ساقی کوثر چہ لعل و گوہر سُفت
زہے کرشمۂ قدرت کہ خسرو مضطر | حیات حیدر مشکل کشا بہ سالش گفت

۱۳۵۲ھ

دیگر

صوفی بہ صفا علی حیدر | مرہم نہہ زخم خستہ حالاں
فرخندہ قدح بہ دست آمد | ساقی بہارِ نونہالاں
تحریر نفائس المنن کرد | از سرمہ دیدہ غزالاں
توصیف علیؓ ست حاصل عشق | مرآۃ کمال باکمالاں
تنقید درایت احادیث | ترتیب خیالِ نو خیالاں

تغیر محاسن و فضائل   در انجمن ملک خصالاں
خسرو بنوشت سال تاریخ
تصویر نفوس خوش جمالاں

۱۹۳۳ء

حضرت خسرو اپنے بزرگوں کی طرح اپنے مرشدان عظام اور مرشد زادوں کی محبت میں بھی سرمست و سرشار ہیں۔ ان حضرات کی شان میں ان کے قصائد اُن کی محبت و عقیدت اور نیازمندی کی بڑی واضح نشانی ہیں۔ بیشتر قصائد فارسی میں ہیں۔

حضرت مولانا شاہ تقی حیدر قلندر[۵۲۳] قدس سرہ کی شان میں رقمطراز ہیں۔

---

[۵۲۳] گلشن کاظمیہ کے گل سرسبد نظام الدین ایوب زماں شاہ تقی حیدر بن حضرت مولانا حافظ شاہ علی انور قلندر کی ولادت ۱۳۰۸ھ/۱۸۹۰ء میں ہوئی۔ بدو شعور سے ذہانت وذکاوت وجودت وصلاحیت ظاہر و درخشاں تھے۔ ابتدائی فارسی کتابیں مولوی منصب علی صاحب شاگرد حضرت مولانا شاہ علی انور قلندر سے پڑھیں۔ پھر بقیہ فارسی کی کتابیں اور عربی متوسطات تک والد ماجد سے پڑھیں۔ فارسی مسودات کی اصلاح بھی لی۔ ان کے وصال کے بعد جملہ علوم فقہ و حدیث و تفسیر تصوف و منطق و کلام و عقائد وغیرہ کی تکمیل اپنے برادر معظم حضرت مولانا شاہ حبیب حیدر قلندر سے کی۔ انشاء پردازی اور عربی و فارسی نثر نویسی میں بڑی مہارت تھی۔ اپنے علم و فضل و تقویٰ میں فخر اسلاف تھے۔ حضرت مولانا شاہ علی انور قلندر کے علاوہ ان سے زیادہ تصنیفات و تالیفات کسی نے نہ کیے۔ حضرت مولانا شاہ حبیب حیدر قلندر کے دست حق پرست پر بیعت کی اپنے پیر و مرشد کی بارگاہ میں بڑے مقبول و محبوب منظور نظر اور معتمد تھے۔ صداقت و ایثار و بے نفسی میں مشہور تھے۔ حق گوئی میں لومۃ لائم کی کبھی پروا نہ کی جو مقام قلندری پر فائز ہونے کی

نام و نشان مصطفےٰ شاہ تقی حیدر است — شان علی مرتضیٰ شاہ تقی حیدر است

رہبر خاصۂ خدا شاہ تقی حیدر است — رحمت عام کبریا شاہ تقی حیدر است

محرم راز آشنا مایۂ ناز بے نوا — بندہ نواز ہر گدا شاہ تقی حیدر است

مونس حال زار ما عقدہ کشائے کار ما — قدرت کردگار ما شاہ تقی حیدر است

نور تجلی رخش پردۂ در حجاب من — آئینۂ خدا نما شاہ تقی حیدر است

مرشد و پیشوائے ما ابر کرم برائے ما — صاحب بخشش و عطا شاہ تقی حیدر است

سر بسر روش در بلا خستہ و مبتلا بیا
چارۂ درد لا دوا شاہ تقی حیدر است

اپنے پیر و مرشد حضرت مولانا حافظ شاہ علی انور قلندر سے بھی انہیں بے حد عشق تھا۔ جس کی چند مثالیں درج ذیل ہیں۔

یار من و نگار من خوش تر و خوش گوار من — باغ من و بہار من ساقی و گل عذار من

جان من و جہان من ہمہ ز جہان جان من — دلبر و دستان من آفت جان زار من

نور من و نگاہ من مہر من است و ماہ من — ملک من است و شاہ من سرور و تاجدار من

گفت من و شنید من چشم من است و دید من — پیر من و مرید من نعمت بے شمار من

اعلیٰ دلیل ہے۔ ان کی تمام تصنیفات ان کے تبحر علمی و دقت نظر پر دال ہیں۔ ۱۳۵۴ھ (۱۹۳۵ء) میں سب کے امر اور بلیغ پر حضرت شاہ حبیب حیدر قلندر کے وصال کے بعد صرف پانچ سال کے واسطے سجادہ نشین ہوئے اس وقت کا ارشاد حرف بحرف صحیح ہوا اور ٹھیک پانچ سال بعد ۱۹ ربیع الاول ۱۳۵۹ھ (۱۹۴۰ء) عالم قدس کو آرامگاہ ابدی بنایا۔ آپ کے دو صاحبزادے حضرت مولانا شاہ مصطفےٰ حیدر قلندر سجادہ نشین، خانقاہ کاظمیہ اور حضرت مولانا حافظ شاہ مجتبیٰ حیدر قلندر مدظلہما ہیں۔ دونوں فخر اسلاف اور آیت من آیات اللہ ہیں۔

مرشد و رہنمائے من بلکہ ہمہ برائے من　　کعبہ و ہم خدائے من داور کردگار من
ناز من و نیاز من سوز من و گداز من　　ہوش چارہ ساز من نشہ و ہم خمار من
درد من و طبیب من بخت من و نصیب من　　روح من و حبیب من خسرو روزگار من
اے گل ناز نین من کفر من از تو دین من
خسرو خستہ را بگو بلبل شاخسار من

کون ہے جو نہیں مشتاق لقائے حافظ　　جس کو دیکھو وہ ہے قربان ادائے حافظ
سرمۂ اہل نظر غازۂ حسن دلبر　　کیا ہی اکسیر ہے خاک کف پائے حافظ
خواب غفلت سے اگر جاگے تو قسمت جاگے　　آئے خسرو کے جو کانوں میں صدائے حافظ
درۃ التاج شہ بندہ نواز آمدہ　　ما کجائیم و کجا جنس گران حافظ

حضرت شاہ حبیب حیدر قلندر اور حضرت خسرو کی باہمی الفت و محبت اور دوستی کا اندازہ بہت کچھ گزشتہ صفحات سے ہوا ہوگا۔ وہ اس سراپا ناز کے ہمیشہ نیاز مند بھی رہے۔ چنانچہ ان کا اردو کلام عموماً اور فارسی کلام خصوصاً اس کا آئینہ دار ہے۔ نسبت حبی کی جھلک پورے کلام میں نمایاں ہے۔

شاہ حبیب خوباں دیدم نہ دیدہ بودم　　داور بہ شکل انساں دیدم نہ دیدہ بودم
خورشید را بروئے آں یار شعلہ جوئے　　آئینہ دار حیراں دیدم نہ دیدہ بودم
دل سوز مہ لقائے خوں ریز دل ربائے　　معشوق آفت جاں دیدم نہ دیدہ بودم
شیخ عدوئے ایماں سرخیل بت پرستاں　　کافر و مسلماں دیدم نہ دیدہ بودم
ابرو بہ کار خنجر مژگاں بہ نوک نشتر　　یارے بہ ساز و ساماں دیدم نہ دیدہ بودم

سرو روان گلستاں شاہ حبیب حیدر است　　جان جہان نوجواں شاہ حبیب حیدر است
نور دل و سرور جاں شاہ حبیب حیدر است　　صبر و قرار ناتواں شاہ حبیب حیدر است

...بندہ حسین و نازنیں خسروِ حسن بالیقیں — باغ و بہارِ گل رخاں شاہ حبیب حیدر است

...و جفائے او نگر ناز و ادائے او نگر — آفتِ جانِ عاشقاں شاہ حبیب حیدر است

خسروِ باوفا بیا حسن و جمال او بہ بیں
بندہ نوازِ دوستاں شاہ حبیب حیدر است

تمکین کاظمی صاحب ان کی شاعری کے سلسلے میں لکھتے ہیں۔

خسرو تخلص کرتے تھے۔ غزل، قصیدہ، قطعہ سبھی کہتے تھے مگر ان اصنافِ سخن میں سے غزل ہی ان کی اچھی ہوتی تھی۔ چوں کہ طبیعت حاضر اور رگ رگ میں زندہ دلی بھری تھی اس لیے یہ بے اعتدالی کبھی کر گزرتے مگر فحش اور پھکڑپن پھر بھی پاس پھٹکنے نہیں پاتا تھا۔ شعر گوئی کا یہ حال تھا کہ بعض دفعہ ایک ایک نشست میں دو دو غزلیں کہہ ڈالتے اور بعض دفعہ مہینوں کچھ نہیں کہتے تھے۔ تین مجلد کتابوں میں غزلیں قصیدے وغیرہ تھے۔ جن کو میں نے مرتّب اور مرتب کرکے ایک جگہ دیوان کی صورت میں خوش نویس سے صاف کرا دیا تھا کم و بیش تین ہزار غزلیں دو چار سو قصائد اور ساقی نامے اور مخمس و مسدس، ترجیع بند اور قطعات ہوں گے۔ میرے پاس اس وقت مرحوم کی ڈیڑھ دو سو غزلیں ہیں جن میں سے کچھ انتخاب پیش ہو۔

آگے چل کر لکھتے ہیں :۔

"گو نواب حسین نواز جنگ خسرو لکھنؤ اسکول کے شاعر اور لکھنوی شاعری کے متبع تھے مگر اور شعرائے لکھنؤ کی طرح چولی، انگیا، مستی دھڑی تک اُن کی شاعری محدود نہ تھی۔ بلکہ شعر میں کچھ وزن بھی ہوتا تھا۔ ان کے تخئیل کی وسعت سننے والے کو دعوتِ فکر و تعمق بھی دیتی تھی

چنانچہ اس رنگ کے چند شعر ملاحظہ کیجیے۔

ہر دل کو ہے آرزو تمھاری ہر یاد کو جستجو تمھاری

وہ تو موسیٰ ہی تھے غش بھی ہوئے ہوش آ بھی گیا ہم تری آنکھ سے گرتے تو سنبھلتے کیوں کر

بعض شعر اس قدر بلند کہے ہیں کہ داد نہیں دی جا سکتی

کیا چیز ساتھ لائے ہیں کوئے حبیب سے ہاتھ آ گئی ہو درد کی دولت نصیب سے

باوجود خمول و گمنامی کے ان کی بعض غزلیں بہت مشہور ہوئیں ایک غزل جس کا مطلع ہے

عشق صنم سے ہو گیا اس کے اثر کو کیا کروں بندہ ہوں تیرا اے خدا حسن بشر کو کیا کروں

بقول تمکین صاحب کے "مرحوم کی یہ غزل غالباً شوراپور کی طوائفوں کی وجہ سے بہت مشہور ہوئی مدت ہوئی کہ ریکارڈوں میں بھی آ چکی۔ دو شعر ملاحظہ ہوں۔

پہلو سے اٹھ گئے ہیں وہ دل مرا مانتا نہیں صبر و قرار کیسے ہو درد جگر کو کیا کروں

نور سحر کی روشنی دہر میں ہو ہوا کرے مجھ کو تم پسند ہو اپنی نظر کو کیا کروں

یہ تھا حضرت خسرو کے حالات زندگی اور ان کی شاعری کا مختصر سا تعارف ان کی شاعری کا جائزہ لینے سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس میں غزل کا مکمل بانکپن موجود ہے۔ انھوں نے حسن کو اپنے تخیل میں اس طرح سمو لیا تھا کہ ان کے قلم سے نکلا ہوا ہر لفظ حسن کا عکس بن گیا تھا۔ انھوں نے مختلف اصناف سخن میں طبع آزمائی کی مگر چونکہ ان کا مزاج غزل سے پوری طرح ہم آہنگ تھا لہٰذا دیگر اصناف سخن بھی غزل ہی کے لب و لہجہ میں ڈوبے ہوئے ہیں۔

اگرچہ یہاں پر حضرت خسرو کی نثر نگاری سے بحث کرنے کا محل نہیں لیکن پھر بھی نمونۃً ان کا صرف ایک مکتوب مولوی محمد عالم صاحب قیصری کاکوروی کے نام درج ہے جو ان کے مزاج تصوف کی عکاسی بھی کرتا ہے اور ان کے طرز تحریر کا آئینہ دار بھی ہے۔

حیدر آباد دکن۔ کنسٹر روڈ
۱۰ راگست سنہ ۱۹۲۲ء

برادرم اللہ معکم و معنا۔ عنایت نامہ وصول ہوا۔ آپ کی خیر و عافیت معلوم کر کے مسرت حاصل ہوئی۔ مجھے بے احتیاطی سے نفع ہوا اور اب بالکل اچھا ہوں بلکہ بھوک بمقابلہ پہلے کے زیادہ ہوگئی حالت وہ قوی اندیشہ ناک ہوگئی تھی۔ حکیم معالج کو بھی حیرت ہی روغنی روٹی بھونا گوشت اور برف کے پانی سے معدہ اور جگر کی اصلاح ہوئی۔ (یفعلون)

سواد اعظم اندھیرے گھپ میں ایک خاص چیز کو کہتے ہیں اور وہ ہی سب کچھ ہی کیوں کہ یہ کچھ نہیں ہی۔ خیالی وجود اور ظاہری ہستی موہوم کا بغیر اس کے تفکر کے معدوم ہونا محال ہی۔ سواد اعظم کو پالینا اس وقت کہا جائے گا جب تفکر بھی باقی نہ رہی خامی یہی ہی کہ اس کی جستجو کا خیال فی الجملہ رہتا ہی۔ اور پختگی یہ ہی کہ عینیت اور بے تکلفی حاصل ہوجائے اسی کو مقصود اصلی کہتے ہیں۔ سواد اعظم سے ہر معاملۂ دنیوی میں بھی مدد لی جا سکتی ہی لیکن اس کی خشکی کسی فی الخارج ضرورت کو محسوس نہیں ہونے دیتی اور یہ بھی خامی ہی رفتہ رفتہ بذریعہ جاذبہ کی آمد و رفت کے مساوات ہوسکتی ہی جس کو تکمیل کہیں گے بالفعل تو یہ ہی کہ ع میں نظام سے نیناں لگائے آئی رے

خیال اور وہم جب تک وہم و خیال محسوس ہو طلب بھی وہمی و خیالی ہوگی جب واقعی طور پر یہ ثابت ہو جائے کہ ہی، تو اس کی طلب بھی ہی، اور جب طلب بھی ہی تو بغیر طلب کے واقعی ہی جو کبھی زائل نہیں ہو سکتا اور نہ اس کے خلاف ہو سکتا ہی کیوں کہ ہی کے خلاف نہیں "نہے" یعنی "ہے" یہی اندر والی ہی سواد اعظم ہی۔

مت کھائیو ہاں فریب ہستی ہر چند کہیں کہ ہے نہیں ہے

اسم اول اور اسم آخر کے درمیان جو کچھ ان پر بشریت کی بے ربطی سے نظر

آتا ہے اس کو عالم کہتے ہیں جو نہیں ہے بلکہ ایک ہے اور دوسری ہے کا درمیان خدا کی قسم نہیں ہے سراسر دھوکہ ہے۔ ایک جدید غزل سنیے۔

نخواہم من از کس رضائے کسے | وفائے کسے نے جفائے کسے

من از ناز خود در نیاز آمدم | نیازم نیازے برائے کسے

دوائے خودم باز بیمارِ خود | نخواہم مسیحا دوائے کسے

خودم مقصد و راہ و ہم راہرو | نیم جز بخود رہنمائے کسے

نہ خواہان وصلم نہ ترسان ہجر | نہ در بند ناز و ادائے کسے

رہیدم چو از خود رسیدم بخود | نماند است خوف و رجائے کسے

سراسیمگیم تفاوت کند | فدائے خودم مبتلائے کسے

چہ سودائے زلف چہ جنت و عشق | گرفتارئیم دل ربائے کسے

چہ خسرو کہ شد خسرو خوب رو
ثنائے خود و نے ثنائے کسے

الغرض کہاں تک اور کیا کہا جائے۔

محرم میں وطن کا قصد کرنا اس لیے دشوار ہے کہ بے زری کا رفع کرنا میرے امکان سے خارج ہے اور آمد و رفت کے لیے رقم کثیر کی ضرورت ہے۔

ہاں کیف گر شراب نہ پی ہو تو مانگ لیں
روٹی کے واسطے تو گدائی نہ ہو سکے

اپنے لیے کس سے کہیں کوئی ایسا نہیں ہے جسے خود خیال ہو۔ کیوں کہ ہم کو خود خیال نہیں ہے۔ اس وقت ہماری گفتگو پر نظر نہ کیجیے گا۔ کسی قدر گڑبڑ ہے۔ بس اب طبیعت گھبراتی ہے۔

محمد معراج الدین

کاکوری کے دیگر شعرا کی طرح خمول و گمنامی سے اُنس کی وجہ سے حضرت خسرو نے کبھی اپنا دیوان یا انتخاب کلام نہ چھپوایا اور نہ ان کے بعد ہی اب تک ان کا مجموعہ کلام یا انتخاب کلام منصۂ شہود پر آسکا البتہ ان کی غزلیں آج بھی خانقاہ کاظمیہ کی محافل سماع میں ذوق و شوق سے سنی جاتی ہیں۔ راقم الحروف کے لیے یہ بات باعث مسرت و انتخار ہی کہ یہ سعادت اس کے حصہ میں آئی کیوں کہ غزل کے مزاج کو سمجھنے کے لیے اس قسم کی شاعری کا منظر عام پر آنا لازمی ہی۔ زیر نظر انتخاب کتب خانہ انوریہ، خانقاہ کاظمیہ کاکوری میں موجود ان کے تین مختلف دواوین کے نسخوں سے منتخب کردہ ہی ایک دیوان خود حضرت خسرو کے قلم کا تحریر کردہ ہی۔ دوسرا نسخہ ان کے ہمشیرزادہ حیدر حسن صاحب عباسی کاکوروی کا لکھا ہوا ہی۔ تیسرے کے کاتب کا پتہ نہ چل سکا۔

افسوس ہی کہ حضرت خسرو کے کلام کا کافی حصہ خود انھیں کی وجہ سے باقی نہ رہ سکا بقول تمکین کاظمی صاحب کے کہ ان کی "کم و بیش تین ہزار غزلیں دو چار سو قصائد، ساقی نامے اور مخمس و مسدس، ترجیع بند اور قطعات ہوں گے۔ میرے پاس اس وقت مرحوم کی ڈیڑھ دو سو غزلیں ہیں۔" معلوم نہیں وہ غزلیں کیا ہوئیں کیوں کہ موصوف نے اپنے مضمون میں ان کے اشعار کے جو نمونے درج کیے ہیں اُن میں سے سوا چند اشعار کے بقیہ میری نظر سے نہیں گزرے۔ قرین قیاس یہی ہی کہ ڈیڑھ دو سو غزلیں جن کا ذکر تمکین صاحب نے کیا بیش نظر دواوین میں شامل نہ ہو سکیں۔

حضرت خسرو کے پھوپھی زاد بھائی مولوی محمد عاصم[۳۲] صاحب قیس کاکوروی نے

۳۲؎ مولوی محمد عاصم صاحب قیس۔ مولوی محمد ہاشم صاحب افسر کے صاحبزادہ تھے، ۲۰ ربیع الاول ۱۳۰۹ھ / ۱۸۹۱ء کو کاکوری میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم خانقاہ کاظمیہ پر حافظ شاہ علی انور قلندر سے حاصل کی انھیں سے بیعت ہوئے بڑے راسخ العقیدہ اور سچے تھے۔ پیرومرشد کے وصال کے

تمکین صاحب کے استفسار پر اپنے مکتوب (۱۰ جنوری ۱۹۳۸ء) میں انھیں بالکل درست لکھا کہ "وہ اوائل عمر میں اپنی شاعری کو اپنے بزرگوں سے چھپاتے تھے اور صرف احباب خاص پر ظاہر کرتے تھے جو اُن کے راز دار تھے ایسے وقت میں ان کی غزلیں بہت کم تر مندہ تحریر ہوتی تھیں۔ اکثر ایسا ہوا کہ غزلیں کی غزلیں کہی ہیں اور انھیں بھلا دیا ہے"

ان کا عام طریقہ یہی تھا کہ غزلیں لکھ لکھ کر لوگوں کو دے دیا کرتے تھے۔ کاکوری اس زمانے میں علم و ادب کا گہوارہ تھی آئے دن مشاعرے ہوتے تھے حضرت خسروؔ خود تو نہ پڑھتے لیکن اس وقت کے اُبھرتے نو عمر شاعروں کے نام سے لکھ لکھ کر دے دیا کرتے اور اکثر چاک کر دیتے تھے۔ اس طرح ان کا بہ کثرت کلام ضائع ہو گیا جب کبھی ان کے بھانجے اور پھوپھی زاد بھائی وغیرہ ان سے یہ کہتے کہ آپ اپنا کلام لکھ کر کیوں پھاڑ دیتے ہیں تو ہمیشہ ہنس کر کہتے

ما نمی خواہیم ننگ و نام را

مگر بعد میں اپنے عزیز بھانجے حیدر حسن نشترؔ[۲۳] صاحب کی ضد اور اصرار پر تھوڑا

بعد مولانا شاہ حبیب حیدر قلندر سے فارسی و عربی اور دیگر علوم باطنی کی تحصیل کی۔ عربی و فارسی اور اردو کے بڑے قادر الکلام شاعر تھے۔ عربی و فارسی کلام اہل زبان کی طرح ہوتا۔ تاریخ گوئی میں بڑا ملکہ تھا۔ شاعری کے علاوہ تصنیف و تالیف سے بھی خاص شغف تھا۔ کئی علمی تصانیف اپنی یادگار چھوڑیں۔ محکمۂ آبکاری سے انسپکٹری کے عہدہ سے پنشن یاب ہوئے۔ ۱۴ رمضان المبارک ۱۳۷۵ھ/۱۹۵۶ء کو وفات پائی اور اپنے پیر و مرشد کی درگاہ کے باہر جانب مشرق آسودۂ خواب ہیں ان کے ایک بیٹے غلام مرتضیٰ صاحب کیفؔ موجود ہیں۔

۲۳؎ حیدر حسن صاحب عباسی کاکوروی، مولوی محمد حسن صاحب عباسی کے صاحبزادہ ۱۳۲۴ھ/۱۹۰۶ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی عربی اور فارسی کی تعلیم حضرت مولانا شاہ علی حیدر قلندرؒ سے حاصل کی اپنے چھوٹے چچا نظام الدین حیدر صاحب کے ہمراہ کانپور میں رہ کر انگریزی تعلیم میٹرک تک

بہت کلام جو یاد آتا گیا لکھتے گئے۔ حیدر حسن صاحب نے بھی محنت اور کوشش کر کے کلام جمع کیا۔

کلام نہ لکھنے کی وجہ سے ان کے بہ کثرت اشعار مخلوط بھی ہو گئے۔ راقم الحروف کو کاکوری سے متعلق ایک صاحب کے کلام میں خسرو کی ایک پوری غزل من وعن موجود ملی حالانکہ وہ صاحب ۱۹۲۵ء میں ایسے زیادہ کہنہ مشق نہ رہی ہوں گے۔ دوسرے یہ کہ وہ غزل خسرو کی حیات ہی میں ایڈیٹر "حقیقت" اپنے اخبار میں شائع کر چکے تھے۔ غالباً یہ ہوا ہو گا کہ انھوں نے حسب عادت مشاعرہ میں لکھ کر ان نو عمر صاحب زادہ کو دیدی ہو گی کہ مقطع لگا کر پڑھ دینا اور بعد میں ان کی لکھی ہوئی ایڈیٹر نے خسرو (ان کے) مقطع کے ساتھ شائع کر دی۔ واللہ اعلم۔ اس قسم کے بکثرت واقعات ہیں۔ اکثر یہ ہوا کہ محرم میں سلام اور مراثی و منقبتیں یا قوالوں کو غزلیں لکھ کر دیں اور اپنے پاس کوئی نقل نہ رکھی اس طرح بہ کثرت کلام ضائع ہو گیا۔ مثلاً ان سطور کے لکھتے وقت کاکوری کے ایک ایسے شخص کی بیاض ان کے بھائی کے پاس سے دریافت ہوئی ہے جس میں مختلف شعراء کے مراثی و سلام درج ہیں جو ماہ محرم میں پڑھا کرتے تھے اس کے مطالعہ سے راقم الحروف کو حضرت خسرو کے کئی

حاصل کی۔ ۱۹۳۷ء میں ریاست عالیہ حیدر آباد میں محکمہ پولیس میں انسپکٹر مقرر ہوئے بڑے مقبول و ہر دل عزیز رہے۔ اسی کے ساتھ ایک کامیاب ڈرامہ نویس و ناول نگار بھی تھے۔ پریمی کسان، زراعت الدولہ، خواب پریشاں، عشق کا کرشمہ، ایثار، ہستی کا خمار، جنگل کی شہزادی، سیاہ پوش اور اعجاز حسن اُن کی مشہور و مقبول تخلیقات ہیں۔ شاعر بھی اچھے تھے۔ نشتر تخلص تھا۔ بذلہ سنجی، ظرافت و مزاح، شوخی طبع وغیرہ میں اپنے ماموں صاحب قبلہ حضرت خسرو کے سچے و صحیح جانشین تھے۔ بیعت حضرت مولانا شاہ حبیب حیدر قلندرؒ سے تھی ۱۹۳۶ء میں ۴۳ سال کی عمر میں وفات پائی۔

مراثی وسلام دستیاب ہوئے ہیں۔ وہ بھی جلد ہی انشاء اللہ ناظرین کی خدمت میں پیش کیے جائیں گے۔

کتب خانہ انوریہ میں محفوظ نسخوں میں حضرت خسرو کا فارسی کلام بجائے خود ایک دیوان کا متقاضی ہے۔

زیر نظر انتخاب میں غزلوں کے ساتھ چند مراثی وسلام، دو سہرے اور کچھ رباعیات اور قطعات شامل ہیں۔ بعض طویل غزلیں جو ۲۰-۲۵ اشعار پر مشتمل ہیں ان میں سے میں نے اپنے فہم اور ذوق کے مطابق ۷-۸ اشعار کا انتخاب کر کے شامل کر دیا

کلام کے انتخاب میں اس بات کی کوشش کی ہے کہ ایسا انتخاب ہو جس سے حضرت خسرو کے تمام محاسن شعری پر روشنی پڑ سکے۔ لیکن اس کا فیصلہ تو قارئین ہی کریں گے کہ میں کہاں تک عہدہ برآ ہو سکا ہوں۔

ابتدا میں حضرت خسرو کی ایک تصویر شامل ہے جس کے لیے میں عم محترم جناب محمد عسکری[۲۴] صاحب خالدی کا بہت ممنون ہوں۔ موصوف نے مفید مشوروں سے بھی نوازا

---

[۲۴] محمد عسکری صاحب خالدی کاکوری کے مشہور صوفی بزرگ شاعر مولوی محمد عالم صاحب قیصریؔ کے بڑے صاحب زادے ہیں۔ ۱۹۲۷ء میں کاکوری میں پیدا ہوئے ابتدائی فارسی دار دو خانقاہ کاظمیہ پر حضرت مولانا حافظ شاہ مجتبیٰ حیدر قلندر سے پڑھی۔ والد ماجد کی ان کی صغر سنی ہی میں وفات ہو گئی۔ اس کے بعد اپنے عم مکرم مولوی محمد عاصم صاحب قیسؔ کے زیر عاطفت رہے۔ لکھنؤ کرسچین کالج میں تعلیم حاصل کی۔ ۱۹۴۷ء میں ترک وطن کر کے پاکستان چلے گئے۔ ایک طویل عرصہ تک جاپان ایرلائنز میں عہدہ جلیلہ پر فائز رہے اور اپنی لیاقت دیانت داری اور تقویٰ کی بنا پر اپنے ساتھیوں میں بڑے ہر دل عزیز و مقبول رہے اپنے اصولوں میں بہت سخت ہیں۔ حضرت مولانا شاہ حبیب حیدر قلندرؒ سے بیعت ہیں

مکتوب خسرو کے واسطے عم مکرم جناب محمد ذکی خالدی[۲۵] صاحب ذکا کاکوروی کا جن
حضرت خسرو کے کلام سے خاص شغف ہے بہت مشکور ہوں۔ عم معظم جناب غلام مرتضیٰ[۲۶]

۲۵ھ محمد ذکی صاحب خالدی ذکا مولوی محمد عالم صاحب قیصری کے چھوٹے صاحبزادے
ہیں۔ ۱۹۳۰ء میں کاکوری میں پیدا ہوئے تعلیم و تربیت خانقاہ کاظمیہ پر حضرت
مولانا حافظ شاہ مجتبیٰ حیدر قلندر سے اور اپنے عم مکرم حضرت قیس سے حاصل کی
اس کے بعد لکھنؤ میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد ۱۹۶۰ء میں انگلینڈ گئے۔ وہاں تین
سال رہ کر "لیبد ریٹنگ" کا کورس کیا اور امتیازی نمبروں سے کامیابی حاصل کی۔
ہندوستان واپس آکر مختلف سرکاری و نیم سرکاری اور پرائیویٹ کمپنیوں میں رہ کر
ذہانت و قابلیت کی بنا پر ناموری حاصل کی۔ شاعری کا ذوق فطری اور آبائی ہے
شاعری میں کسی سے اصلاح نہ لی۔ اکثر و بیشتر واردات قلبی کو اشعار کے قالب میں ڈھال
دیتے ہیں۔ حضرت شاہ حبیب حیدر قلندر سے بیعت ہیں۔
۲۶ھ غلام مرتضیٰ صاحب خالدی کیف کاکوروی۔ حضرت قیس کے صاحبزادے ہیں
۱۹۲۳ء میں کاکوری میں پیدا ہوئے اپنے اسلاف کی طرح عربی و فارسی اور اردو کی
تعلیم خانقاہ کاظمیہ پر حاصل کی۔ فارسی و اردو وغیرہ کی تحصیل کے بعد انگریزی تعلیم
حاصل کی۔ بی اے۔ ایل ایل بی کے بعد وکالت شروع کی مگر طبیعت کو راس نہ آئی۔
حیدر آباد میں ملازمت کی پھر بمبئی منتقل ہو گئے۔ گزشتہ سال سیلس ٹیکس کمشنر کے عہدہ سے
ریٹائر ہوئے۔ دوران ملازمت اپنی قابلیت۔ ایمانداری اور اصول پرستی کی بنا
پر حکام اعلیٰ کی نظروں میں بڑی عزت اور وقعت سے دیکھے جاتے رہے۔ شاعری سے
بڑا ذوق ہے اردو فارسی کے ایک خوش فکر اور نغز گو شاعر ہیں۔ ان کی وجہ سے
شاعری میں حضرت قیصری اور حضرت قیس کی یاد تازہ ہے۔ بمبئی کے ادبی و علمی
حلقوں میں بہت مقبول رہے ہیں۔ حضرت شاہ حبیب حیدر قلندر سے بیعت ہیں۔

صاحب کیفؔ کاکوروی کا بھی احسان مند ہوں کہ موصوف نے حضرت خسرو سے
متعلق بعض مفید معلومات بہم فرمائیں حضرت خسرو کے اخلاف میں یہی تینوں
شخصیتیں ہیں۔ جزاہم اللہ تعالیٰ خیرالجزاء۔

ناظرین اگر حضرت خسرو کے کلام سے محظوظ ہوں تو ان کے لیے دعائے مغفرت
اور میرے لیے دعائے حسن خاتمت کریں۔

وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ وَاِلَیْہِ اُنِیْب

احقر مسعود انور علوی کاکوروی

۲۹ر شوال المکرم ۱۴۰۴ھ — ریسرچ اسکالر شعبہ عربی

۲۹ر جولائی ۱۹۸۴ء — مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ

حمدِ حسنِ ازل

اے خدا تو ہے بے عدیل و نظیر — جلوا تیرا ہے حسن عالمگیر

پیکرِ حسن دل پسند ہے تو — مونس جان درد مند ہے تو

یہ خدائی ہے اے خدا تجھ سے — یہ مرقع ہے خوشنما تجھ سے

تو ہی ہر رنگ میں نمایاں ہے — تو ہی سلطان کشورِ جاں ہے

ہے تو ہی منظہر حدوث و قدم — ہے تو ہی محرم حریم و حرم

تو ہی حسن و ادا و ناز بھی ہے — تو ہی سرمایۂ نیاز بھی ہے

تجھ سے روشن ہے آتش رخسار — تجھ سے رنگیں ہے لالۂ گلنار

شوخئ چشم دل رُبا تو ہے — نکہت زلف مشک سا تو ہے

ہے کہیں تو بہار شوخئ گل — ہے کہیں دل سوز نالۂ بلبل

ہے ترے نور سے جہاں پُر نور — شمع قدرت کا ہر طرف ہے ظہور

تو ہے محفل فروز دیر و حرم — تو ہے آئینۂ جمال حرم

ہو کرم سے ترے گدا سلطاں — دمِ عیسیٰ بھرے لبِ جاناں

کرمِ شب تاب ماہ پیکر ہو — ذرۂ خاک مہرِ انور ہو

پر پروانہ ہو پر جبرئیل — شمع کاشانہ شمع عرش خلیل

برق ایمن ہو شیر کی تصویر — سنگ موسیٰ سے نکلے جوئے شیر

دامن خاک سے گل شاداب — قطرۂ آب سے دُرِ نایاب

عارض مہر وش سے ضو نکلے — آتش لعل لب سے لَو نکلے

ترے رُخ سے اگر اٹھے پردا — داغ سودا بنے ید بیضا

بحر گھٹ کر بنے کفِ سیلاب — موج چکرا کے حلقۂ گرداب

آب دریائے نیل آبی ہو — چشم ہر نازنیں گلابی ہو

ماہِ کنعاں عزیز بن جائے — اور زلیخا کنیز بن جائے

سنگ سے برق زا شرر نکلے — شمع کا شعلہ خیز ہو نکلے

نہیں کوئی وجود تیرے لیے — ہو یہ ساری نمود تیرے لیے

کون موسیٰ کہاں کی شانِ ظہور — برق کیسی کہاں کا شعلۂ طور

سنگ میں گر شرر ہو تو تو ہو — حسن میں جلوہ گر ہو تو تو ہو

ہیں محمدؐ وہ کون شانِ خدا — بحرِ وحدت کے گوہرِ یکتا

شوکت آرائے آسمانِ جمال — تاجدارِ ریاستِ اقبال

جلوہ افروز نیرِ اعظم — باعثِ خلق پیکرِ آدمؑ

افتخارِ زمینِ عربستاں — والیِ کائنات کون و مکاں

آپ پر سب خدائی مائل ہو — آپ کا نام راحتِ دل ہو

آنکھیں پھر ڈھونڈھتی ہیں وہ گلیاں — کحلِ مازاغ ہو غبار جہاں

حسنِ قسمت پہ ناز ہو مجھ کو — جب یہ حاصل نیاز ہو مجھ کو

حالت بے خودی وہ طاری ہو — آہ لب پر ہو اشک باری ہو

ہاں اب اے خامۂ خجستہ رقم — آج دیکھیں تو تیری شوخی ہم

قطرہ زن ہو تو دامن گل پر — رنگ لالہ کا آئے بلبل پر

نظم میں تیری ہو وہ شان بہار — صفحہ صفحہ ہو غیرتِ گلزار

قطرہ قطرہ ہو گوہرِ اختر — حسنِ الفاظ ہو پری پیکر

ہو نرالی ادا فصاحت کی — پوری تصویر ہو بلاغت کی

وہ دکھا حسنِ داستانِ سخن — خود سخن بولے ہو یہ جانِ سخن

آج ہوں میں وہ شاعرِ یکتا — جو کہوں فخر ہے درست و بجا

طبع روشن ہے فکر عالی ہے — ہر سخن مطلع ہلالی ہے

ہے زباں موجِ کوثر و تسنیم — ناز پروردۂ جنابِ کلیم

کشورِ نظم مجھ سے ہے آباد — تر و تازہ ہے گلشنِ ایجاد

میں ہوں سلطان خسروانِ سخن — میرے قبضہ میں ہے جہانِ سخن

بس بس اے طوطیٔ شگفتہ بیاں — روک لے توسنِ قلم کی عناں

دمِ تحریر یہ خیال رہے — حسنِ معنی کی دیکھ بھال رہے

کاوشِ انتظار ہو نہ کہیں — طبعِ نازک پہ بار ہو نہ کہیں

سیر اس کی کریں بتانِ تحریر — جانے ہر ماہ رو اسے تصویر

دفترِ سوز و ساز ہوں اس میں — گلعذاروں کے ناز ہوں اس میں

سرمگیں چشم کے عتاب بھی ہوں — جانِ مضطر کے اضطراب بھی ہوں

شامِ ہجراں کی بھی شکایت ہو — سحرِ وصل کی حکایت ہو

الغرض ایسی داستاں ہو رقم — شورِ محشر بنے صریرِ قلم

جزو میں کل میں نور تیرا ہے — آنکھ ہو سب ظہور تیرا ہے

مجھ سے ہو حمد کیا تری یارب — کہاں بندہ کہاں خدا یارب

دیکھ کر وسعتِ کرم تیری — مست ہے چشمِ آرزو میری

سر اٹھا کر چلے جو نالۂ دل — درِ عرشِ الٰہ ہو منزل

دنگ ہو جائیں آسمان و زمیں — کہیں حیرت سے آ کے روح الامیں

اے خدائے جہاں سمیع و بصیر — کون روتا ہے آج یہ دلگیر

کسی پہلو اسے قرار نہیں — اور قابو میں جانِ زار نہیں

گو سراسر گناہ گار ہے یہ — تیرا بندہ نحیف و زار ہے یہ

اس کو حاصل ہو راحتِ قلبی
دور کر دے تمام رنج دلی

کہہ کے یہ جبرئیل ہوں گویاں
جوش پر آئے رحمتِ یزداں

ہو یہ فرمانِ حضرتِ باری
دیکھو کرتا ہے کس لیے زاری

کیوں لٹاتا ہے جانِ پُر غم کو
کیوں ہلاتا ہے عرشِ اعظم کو

غیر ممکن خیال فرض کرے
ہو جو امر محال عرض کرے

ابھی ممکن محال ہوتا ہے
کرم لایزال ہوتا ہے

جلوۂ برق زاد کھائیں اسے
سرنوشتِ قضا دکھائیں اسے

شاد اس کا دلِ حزیں کر دیں
چرخِ افلاک کو زمیں کر دیں

چشمِ مشتاق میں نظر آئے
لامکاں سے ابھی اتر آئے

یہ حجابِ نظر اٹھا دیں ہم
جلوۂ طور پھر دکھا دیں ہم

آئے آواز یہ چرخِ اخضر سے
نہ بہا اشک دیدۂ تر سے

جب اٹھا پردہ بابِ رحمت کا
دیکھ یہ وقت ہے اجابت کا

ہوش میں آ ذرا خدا کے لیے
لے اٹھا ہاتھ اب دعا کے لیے

ملہمِ غیب سے یہ سن کے کلام
رقص کرنے لگے دلِ خود کام

نہ ہوس مجھ کو مال و زر کی ہے
نہ تمنا کسی بشر کی ہے

نہ ہوا تاج و تخت کی مجھ کو
نہ شکایت ہے بخت کی مجھ کو

نہ گلا ہے کسی ستم گر کا
ولولہ ہے نہ وصل دلبر کا

نہ ملے جائے دل نشیں نہ ملے
چین تقدیر سے کہیں نہ ملے

آسماں کی نہ کچھ زمیں کی ہے
آرزو یہ دلِ حزیں کی ہے

اب دکھا اپنے تو حبیب کا گھر
درِ دولت ہو اور میرا سر

سر کو سودا ہو زلفِ جاناں کا
سلسلہ ہو جنوں کے ساماں کا

نعت

دل جو اپنا روئے زیبا پر فدا ہو جائے گا
کیا سے کیا پھر یا محمد مصطفےٰ ہو جائے گا

آبرو رکھیں گے میری آپؐ اے بحر کرم
قطرۂ ناچیز دریا میں فنا ہو جائے گا

ذرّہ بے قدر ہو گا شاہ خاور آفتاب
آپؐ کا سایہ مرے سر پر ہما ہو جائے گا

عشق بازی کی حقیقت مجھ کو بھی معلوم ہو
آپؐ ہو جائیں گے میرے تو خدا ہو جائے گا

آپ کی رحمت میں ہوں گے یا شفیع المذنبیں
ہم گنہ گاروں کا حاصل مدعا ہو جائے گا

ہو شہادت کی تمنا اک نظر در کار ہے
آپ چاہیں گے تو میرا فیصلہ ہو جائے گا

دیکھ کر خسروؔ سے فرماتے ہیں محبوب خدا
میرا بندہ کیوں بتوں پر مبتلا ہو جائے گا

---

(۱)

در شانِ حضرت خداوند نعمت پیر و مرشد برحق
عالی جناب مولانا حافظ شاہ علی انور قلندر رحمۃ اللہ علیہ

دل ہو سودا زدۂ زلفِ رسائے حافظ
آنکھ نظارہ کشِ جلوہ نمائے حافظ

ایک ہی بات میں ہو جاتے ہیں مُردے زندہ
دمِ عیسیٰ ہو سب آبِ بقائے حافظ

ایسی رعنائی کسی اور میں دیکھی ہی نہیں
کیا سمائے کوئی نظروں میں سوائے حافظ

یہ نہیں حضرت یوسفؑ جو خریدے جائیں
دونوں عالم سے زیادہ ہے بہائے حافظ

قدرتیں تھیں سبھی بندے رہے مجبور رہی
واہ رے شیوۂ تسلیم و رضائے حافظ

روزِ محشر ہمیں پرسش کا کوئی خوف نہیں
ہو شفاعت کے لیے ظلِّ لوائے حافظ

ذرّہ خورشید بنے اور ہو قطرہ دریا
لے زہے خوبیٔ تاثیرِ دعائے حافظ

ذات بے مثل ہے کیا شان خدا ہے خسروؔ
غیر ممکن ہے کہ ہو مجھ سے ثنائے حافظ

۲

اے نگاہ شوخ جب سے تو نے بسمل کر دیا
بیٹھنا بھی درد دل نے اٹھ کے مشکل کر دیا

دل کو ہاں ہاں دل ہی جانے کے قابل کر دیا
تم نے اس انداز سے دیکھا کہ بسمل کر دیا

کیا کہوں اے انتظارِ دوست تجھ کو کیا کہوں
جینا تو آساں نہ تھا مرنا بھی مشکل کر دیا

دل تھا دل تھا ہاں وہ شورش آفریں دل تھا مرا
حسن کے خلوت کدے کو جس نے محفل کر دیا

طور پر بجلی گرانے والے کچھ معلوم ہے
تو نے ہر ذرہ کو اک حسرت بھرا دل کر دیا

اللہ اللہ قدرتیں تیری نگاہ ناز کی
دیکھنے والوں کو سر سے تا قدم دل کر دیا

جذب اس کو کہتے ہیں جوش وفا یہ چیز ہے
ناوک قاتل کو ہم نے حسرت دل کر دیا

بے نیاز خلق تھی غیرت نیاز عشق کی
حسن نے اس کو زمانے کے مقابل کر دیا

آپ کے غم میں ہوا اختر کو حاصل یہ فروغ
درد جب چمکا تو دل کو ماہ کامل کر دیا

دیکھنا آفت تمہارا ہو گیا
دل گیا زخمی کلیجا ہو گیا
زلف سر کی صاف چہرا ہو گیا
روشنی پھیلی سویرا ہو گیا
اے خدنگِ ناز کیا کہنا ترا
جس کو تاکا وہ نشانا ہو گیا
وہ چلے اٹھکھیلیوں سے باغ میں
فتنۂ محشر کا دھوکا ہو گیا
دیکھ کر صورت تری رشکِ قمر
چاند اونچا ہو کے تارا ہو گیا
عشق نے ناحق ہماری جان لی
یہ دلِ ناشاد رسوا ہو گیا
وہ ملے مجھ کو تو سب کچھ مل گیا
قطرۂ ناچیز دریا ہو گیا
ہنس دیئے تم لعل لب کے سامنے
سب گلوں کا رنگ پھیکا ہو گیا
آرزوئیں اتنی گھٹ گھٹ کے رہیں
دل میں خسرو درد پیدا ہو گیا

(۴)

بلائیں حسن کی لینے کو آفتاب آیا
عجیب شان سے اس شوخ کا شباب آیا
نگاہِ شوق کی تھیں بدحواسیاں ورنہ
ہزار بار وہ محفل میں بے حجاب آیا
ہزار رنگ میں ڈوبی ہوئی تھی بزم جہاں
ترا خیال بھی دل میں بہ رنگ خواب آیا
عجیب لطف سے معمور تھی وہ خاموشی
مری زباں رکی اور انھیں حجاب آیا
بہت بلند ہے موت و حیات سے خسرد
جو بارگاہِ محبت میں کامیاب آیا

واقفِ راز جو اپنا دلِ حیراں نکلا
باغِ امکاں کا ہر ایک پھول گلستاں نکلا

دل کہیں ہم کہیں ارمان و تمنا ہے کہیں
کوئی اپنا نہ شبِ ہجر میں پرساں نکلا

ذرہ ذرہ میں نظر آتی ہو دنیائے بہار
رو کشِ خلدِ بریں کوچۂ جاناں نکلا

شاد ہوتا ہوں جو میں دیکھ کے ان کی صورت
وہ سمجھتے ہیں کہ دل کا مرے ارماں نکلا

غلبۂ کیف میں کیا مجھ کو ملی تھی راحت
آنکھ جس پھول پہ ڈالی وہ گلستاں نکلا

حسن و عشق ایک ہوئے جذبۂ کامل سے مرے
میں پریشاں جو ہوا وہ بھی پریشاں نکلا

رشک آتا ہے زمانے کو مرے مرنے پر
وہ سرِ گورِ غریباں جو پشیماں نکلا

موت خود چیخ اٹھی نزع کا وہ عالم تھا
بزمِ ہستی سے جو نکلا وہ پریشاں نکلا

خاک اس دھن میں زمانے کی اڑادی خسرو
اپنی حد میں کوئی انساں نہ انساں نکلا

طبعِ رنگیں نے مری گل کو گلستاں کر دیا
مجھ سے کچھ حسنِ نظر نے حسن خوباں کر دیا
فکرِ ایں و آں نے جب مجھ کو پریشاں کر دیا
میں نے سر نذرِ جنون فتنہ ساماں کر دیا
دردِ دل نے اور سب دردوں کا درماں کر دیا
عشق کی مشکل نے ہر مشکل کو آساں کر دیا
پھونک دی اک روح مجھ میں میرے دل کی آہ نے
دردِ دل نے میری رگ رگ کو رگِ جاں کر دیا
تو نظر آنے لگا کی جس قدر گہری نظر
میں نے جس ذرہ کو دیکھا ماہ کنعاں کر دیا
"ہر چہ بادا باد ما کشتی در آب انداختیم"
کر کے جرأت اُن سے آج اظہار ارماں کر دیا
تھا یہی خسروؔ ہمارے جوشِ وحشت کا علاج
تم نے دل وابستۂ زلفِ پریشاں کر دیا

نگاہِ گرم گلچیں نے مٹا ڈالا نشاں میرا
انھیں آنکھوں کا مارا تھا چمن میں آشیاں میرا

ہوا ہے دردِ دل کچھ اس طرح سے رازداں میرا
جو وہ کروٹ بدلتا ہے تو ہوتا ہے گماں میرا

میں یوں یہ کچھ بھی نہیں لیکن مری اتنی حقیقت ہے
جو وہ جانِ جہاں میرا تو پھر سارا جہاں میرا

جو میں بیتاب ہوں مجھ کو یوں ہی بیتاب رہنے دے
علاجِ دردِ دل یہ ہے مسیحائے زماں میرا

زہے قسمت کہ میں خوش ہو کے ہں دنیا سے جاتا ہوں
کسی کا غم رہے گا بعد میرے نوحہ خواں میرا

میں گم کردہ نشیمن ہوں قفس میں پھنس کے آیا ہوں
یہ افسانہ نہ چھیڑ اُن سے بہارِ بوستاں میرا

نہ جل کر پوچھ اے خسرو فضائے آسماں کیا ہے
میں دل کی آہ ہوں پھیلا ہوا ہے یہ دھواں میرا

---

[۱] یہ غزل آخری سال کی ہے حضرت خسرو کا یہ شعر اپنے مفہوم میں پورا اترا۔ آج بھی حضرت شاہ حبیب حیدر قلندر قدس سرہٗ کو جو بھی یاد کرتا ہے وہ حضرت خسرو کو بھی یاد کرتا ہے اور یہ اُنس و نورِ محبت کی دلیل ہے کہ اِذَا ذُکِرتُ ذُکِرتَ۔ جب مجھے یاد کیا جائے تو تم کو بھی یاد کیا جائے

بہت مشکل ہو جذبِ دل میں یا رب امتحاں میرا
ادھر پہلو میں وہ نازک اُدھر دل ناتواں میرا

ہوا ہو دل کا خواہاں پھر وہی آزارِ جاں میرا
نظر آتا ہو مجھ پر مہرباں نامہرباں میرا

بہارِ حسن بھی اس پھول سے ہو اور فرحت بھی
نہ کر برباد یہ سامانِ دل چیں خزاں میرا

لگا ہو ایک ناوک دیکھیے دونوں کلیجوں میں
تڑپتا ہو دلِ مضطر وہاں ان کا یہاں میرا

نوشتِ بختِ بد کا ہو رہا ہے شکوۂ بے جا
بدلتی تیوریاں سب لکھتی جاتی ہیں بیاں میرا

بہت اچھا ہوا احباب کی نظروں سے گر جانا
مرے مٹنے سے پہلے مٹ گیا نام و نشاں میرا

کشش گُل سے نہیں کچھ کم چمن کے پتہ پتہ میں
اب اِک اِک شاخ پر سو سو جگہ ہو آشیاں میرا

جہاں میں منظرِ حسرت ہوں عبرت کا فسانہ ہوں
کیا ہو مٹ کے قائم میری ہستی نے نشاں میرا[۱]

میں خسرو اک مسافر ہوں نہ میرا راستہ روکو
ہر منزل پہنچ کر منتظر ہے کارواں میرا

---

[۱] ہرگز نہ میرد آں کہ دلش زندہ شد بہ عشق — ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما ۔ حافظ

٩

روئے زیبا تری زلفوں میں جو پنہاں ہوتا
جانتا ہوں کہ مرا حال پریشاں ہوتا

خانۂ دل مرا پھر کس لیے ویراں ہوتا
آپ آجاتے اگر آپ کا احساں ہوتا

اثر جوش جنوں موسم گل میں دیکھا
یہ اگر ہاتھ نہ ہوتا تو گریباں ہوتا

ضبط غم کی جو دلِ زار کو عادت ہوتی
میرا ارمان جو ہے آپ کا ارماں ہوتا

آرزو اے نگہِ ناز یہی تھی میری
دل اگر دل ہو تو دل میں ترا پیکاں ہوتا

نزع میں آپ کا جلوہ جو نظر آجاتا
مصحف عارض پر نور پہ ایماں ہوتا

آنسو آتے ہیں جو آنکھوں میں تو پی جاتا ہوں
بحر اگر بحر نہ ہوتا تو بیاباں ہوتا

سچ تو یہ ہے کہ جو خسرو پہ عنایت ہوتی
آپ کی جان سے دور آپ پہ قرباں ہوتا

(۱۰)

لبریز ساغر بھر ہائے چھلکا — دل کا ہوا ہے پھر اب تقاضا

ٹھنڈی ہوا نے پھر گدگدایا — ہر غنچہ چٹکا، گل مسکرایا

تیری ادا تھی میری قضا تھی — کہتی ہیں آنکھیں جھوٹا تھا وعدا

تم اور محفل غیروں کا مجمع — میں اور فرقت بیچارا تنہا

اُن کی نظر بھی جادو اثر تھی — شوخی کے جس میں سامان مہیا

رونے لگا میں جب دل بھر آیا — پھر ابر آیا پھر پانی برسا

ان کی شکایت میری زباں سے — یہ دل کرے گا اس کو گوارا؟

کیسے جیا ہے کیسے مرا ہے — خسرو سے پوچھو دل کا لگانا

یہ دل ہے ان کا یہ جان اُن کی — مانگے گی دنیا مانگے گی عقبا

خسرو نے مرکر کچھ بھی نہ چھوڑا — نام و نشاں تک اپنا مٹایا[1]

خسرو نہیں ہے خسرو نہیں ہے
سب اپنا کھویا جو کچھ تھا پایا

---

[1] یہ شعر بھی اُن کے حسب حال ہے۔

(۱۱)

تا بہ لب سینہ سے اٹھ کر قلبِ ناکام آ گیا
جو بھرا تھا غم سے گردش میں وہی جام آ گیا

تارے گِن گِن کر گزاریں میں نے راتیں ہجر کی
ایک اک تنکا نشیمن کا مرے کام آ گیا[ف]

دامنِ دل کی ہوا شیدا ہی تیرے ذکر کی
آہ بھی پہونچی وہیں جس جا ترا نام آ گیا

اضطرابِ شوق نے فرصت سنبھلنے کی نہ دی
ورنہ ہر جنبش میں دل کی ایک پیغام آ گیا

پہلوئے خالی میں کیا رکھا ہو کیوں دیکھوں ادھر
ہاں کبھی دل تھا مگر مدت ہوئی کام آ گیا

عشق والے روتے ہیں خسرو ہنسی کی بات پر
بے سکھائے ان غریبوں کو یہ اک کام آ گیا

ف یعنی نشیمن کے ایک ایک تنکے پر تاروں کو شمار کیا۔ شعر کے دونوں مصرعے بظاہر بے ربط معلوم ہوتے ہیں مگر حقیقتاً ایسا نہیں ہے۔ تارے گننے کے لیے تسبیح کے دانوں جیسی کوئی چیز درکار تھی جس سے شمار کرنے کا کام لیا جائے۔ شاعر نے یہ کام نشیمن کے تنکوں سے لیا ہے۔ ۱۲ منہ

(۱۲)

ابھی ہو جائے پردہ فاش ماہ جلوہ افگن کا
کرے گو سامنا اس مہر وش کے روئے روشن کا

اثر کیا ہو ہمارے نالہ و فریاد و شیون کا
ابھی وہ بھولے بھالے ہیں زمانہ ہے لڑکپن کا

شب فرقت کی تاریکی سے کیوں کر خوف ہو مجھ کو
کہ دل میں ہے خیال اُس مہ جبیں کے روئے روشن کا

اسی مٹی سے حق نے صورت یوسف بنائی تھی
ازل میں تو نے جھاڑا تھا غبار اپنے جو دامن کا

تمنا ہے کہ روز حشر جب بلوائے جائیں ہم
ہمارے ہاتھ میں گوشہ ہو اس قاتل کے دامن کا

خرام ناز کی شوخی سے اٹھنا فتنۂ محشر
عجب عالم ہے خسروؔ ان کے اس بے ساختہ پن کا

(۱۳)

غرض اُن کی یہی ہے مجھ کو دیوانہ بنا دینا
کبھی چلمن اُٹھا دینا کبھی چلمن گرا دینا
شکستہ پر ہوں جانے کی تمنا ہے نشیمن تک
ذرا اے اڑنے والو! اپنے پر سے آسرا دینا
یہ کوئی کھیل ہے اے چارہ ساز دردِ تنہائی
کسی اچھے بھلے انساں کو دیوانہ بنا دینا
ہماری زندگی کیا ہے ہماری موت کیا شے ہے
تمہاری تیوریوں پر بل تمہارا مسکرا دینا
ستم گر آپ نے دیکھے بھی ہیں ایسے زمانے میں
کسی کا رکھ کے میرا حلق پر خنجر چلا دینا
انہیں آتا ہے نظریں پھیر لینا دل جلا دینا
ہمیں آتا ہے دل کو تھامنا آنسو بہا دینا
اسے وہ دل میں رکھتا ہے اسی پر جان دیتا ہے
نگاہِ ناز کہتی ہے کہ خسرو کو دعا دینا

(۱۴)

لذتِ غم کے لیے شکوۂ بے جا کرنا
چاہیے تھا دلِ بے تاب کا کہنا کرنا

اللہ اللہ یہ انوارِ تجلی کا فروغ
کہ ترا پردہ نہ کرنا بھی ہے پردا کرنا

خوگرِ طرزِ تغافل دلِ ناشاد نہ ہو
مجھ کو تجدیدِ ستم کا ہے تقاضا کرنا

قطرہ دریا میں اگر محو ہو دشوار نہیں
کام ہے قطرہ کو ہم مشربِ دریا کرنا

تو ہی آغازِ ازل ہے تو ہی انجامِ ابد
پھر بھی ممکن نہیں موجود کو پیدا کرنا

عشق کی تشنہ لبی عشق کا حاصل ہے یہی
عشق کی پیاس بجھے یہ نہ تمنّا کرنا

زندۂ عشق ہیں بے نام و نشاں ہیں خسرد
تم نہ بھولے سے کبھی ذکر ہمارا کرنا

(۱۵)

لب کا انداز ہے اعجازِ مسیحا کرنا
آنکھ کہتی ہو کہ شکوہ نہ قضا کا کرنا
حشر کے دن نہ کوئی عذر جفا کا کرنا
تم مرے ہو کے مرے خون کا دعوا کرنا
مست ہو جاؤں گا مے پی کے دعائیں دوں گا
ناز سے بزم میں یوں ہی مجھے دیکھا کرنا
یاد رکھنا یہ وفائیں نہ بھُلانا دل سے
ہو سکے تم سے نہ کچھ اور تو اتنا کرنا
یہ سمجھنا کہ مرے حسن کا صدقہ اُترا
میں جو مر جاؤں تو تم شکر خدا کا کرنا
دل کو لازم ہو مری یاد میں دنیا ہونا
چشم کو چاہیے ہر قطرہ کو دریا کرنا
دل کسی اور سے بہلانا مگر اے خسرو
زندگی میں نہ کبھی اُن کی تمنّا کرنا

(۱۶)

یہ کیا ہے وصل کی شب رو ٹھنا خفا ہونا
کبھی گلے سے لپٹنا کبھی جدا ہونا
تمھاری وضع سے شوخی سے کج ادائی سے
سمندِ ناز نے سیکھا چراغ پا ہونا
وفا کے ذکر پہ اس بے وفا نے ہنس کے کہا
نہیں ہے سہل محبت میں با وفا ہونا
محال ہے تری فرقت میں غیر کے دل کا
ہمارے دل کی طرح درد آشنا ہونا
یہ چار وصف ہیں معشوق کے لیے لازم
شریر، شوخ، طرح دار، چلبلا ہونا
کھلے گا حال دل زار کس طرح خسرو
زباں کو چاہیے مصروف التجا ہونا

---

(۱۷)

ستم ہے جذبۂ دل کا مرے اظہار ہو جانا
قیامت ہے ترا رسوا سر بازار ہو جانا

شبِ وعدہ یہاں تک راہ اُن کی دیکھتے رہنا
ہمارے دیدہ و دل کا در و دیوار ہو جانا

نکلنا آنکھ سے بجلی گرانا آفتیں ڈھانا
نگاہ ناز کا چلتی ہوئی تلوار ہو جانا

وہ آئے ہیں ابھی پہلو میں بیٹھے ہیں سنورتے ہیں
مرے جذب وفا تو بھی گلے کا ہار ہو جانا

مجھے دیکھا جو تو نے پھر کہاں میں تو کہاں ساقی
نظر کا تیری اٹھ جانا مرا سرشار ہو جانا

یہ اُن کی زیب و زینت ہے وہ اس پر ناز کرتے ہیں
ترا اے خسروِ شیدا ذلیل و خوار ہو جانا

---

(۱۸)

محشر میں ان کو دیکھ کے ہے اضطراب کیا
آفت مچائے گا دلِ خانہ خراب کیا

کہتے ہیں ہم سے حسن میں بڑھ کر نہیں کوئی
اس لاجواب بات کا آخر جواب کیا

بے خود رہی شراب کے نشہ میں عمر بھر
ہم جانتے نہیں کہ عذاب و ثواب کیا

بولے وہ ذکرِ وصل پہ مضطر نہ ہو جیے
یہ ہی خیال آپ کا دیکھا ہی خواب کیا

آغاز بھی عدم ہی سر انجام بھی عدم
دو دن کی زندگی میں ہی جوشِ شباب کیا

خسرو سے تم رُکے ہوئے ملتے ہو بزم میں
اس سے زیادہ اور کوئی ہی عذاب کیا

۱۹

عیاں بے خودی میں تھا جلوا کسی کا
عجب لطف کا ہے یہ پردا کسی کا

اُسے حال معلوم ہو گیا کسی کا
ارے تھا یہ نازوں کا پالا کسی کا

کلیجہ پکڑ کر ابھی بیٹھ جاتے
سُنا ہی نہیں تم نے نالا کسی کا

جو نرگس کو دیکھا مجھے یاد آیا
وہ شرما کے گردن جھکانا کسی کا

بتوں کو جو دیکھوں نہ کر منع واعظ
تماشا ہے ان کا تماشا کسی کا

عبث دل کو لیتے ہوا ے جان جاں تم
جو میرا نہیں کیا یہ ہو گا کسی کا

سنا میرا مرنا تو بولے وہ خسترد
چلو ہو گیا قول پورا کسی کا

۲۰

میں وہ جانباز ہوں جس رخ کو وہ قاتل جاتا
جان بھی جاتی اسی سمت مرا دل جاتا

ناوک ناز اگر تیری عنایت ہوتی
پھول کی طرح ہر اک زخم مرا کھل جاتا

اُن کے چہرہ پہ نظر میری جمی ہو ورنہ
کیا حقیقت ہو جو اس رخ پہ کوئی تل جاتا

ابروئے یار کے خنجر سے گلے کٹ جاتے
موت آتی جو کسی کی تو مقابل جاتا

وصل ہو غیر کو اپنی نہیں قسمت ایسی
روٹھتے تم تو محبت کا مزا مل جاتا

کمسنی ہے ابھی کیا جانیں محبت کیا ہو
قدر جب ہوتی جو خسرو کی طرح دل جاتا

---

(۲۱)

دل ناداں نہ بھولے بن پہ آنا
سمجھ کر اس بُت پر فن پہ آنا
الگ رہنا بس اے زلف سیہ فام
نہیں زیبا رخ روشن پہ آنا
ہمارا جذبۂ دل کھینچ لایا
تمھارا اور بھلا مدفن پہ آنا
ہوا بے آبرو اکثر سر بزم
بُرا ہے اشک کا دامن پہ آنا
قیامت ڈھائے گا ابرو کا کھنچنا
غضب ہے بل تری چتون پہ آنا
بلائے جان توبہ ہے الٰہی
ستم ہے ابر کا گلشن پہ آنا
عیادت کو نہیں آئے وہ خسرو
کہا میں نے کہ اب مدفن پہ آنا

(۲۲)

خدائی کا کیا کیا کرشمہ نہ دیکھا
مگر یہ کہ جو دیکھنا تھا نہ دیکھا

کہاں کھو دیا ہائے اس بے خودی نے
انھیں جس طرح دیکھنا تھا نہ دیکھا

عجب بے کسی میں مری جان نکلی
کسی کو بھی محو تماشا نہ دیکھا

تعین کا پردہ نہ اٹھنا نہ اٹھا
جہاں زور چلتے کسی کا نہ دیکھا

جہاں دل سے دل کو ہوئی راہ پیدا
وہاں حائل آنکھوں کا پردا نہ دیکھا

نہ اترا کبھی چڑھ کے بل ابروؤں کا
مزاج آپ کا ہم نے سیدھا نہ دیکھا

یوں ہی کرتے خسرو کسی کی عیادت
مرا حال تم نے نہ پوچھا نہ دیکھا

۲۳

جلوہ جو ترا پردہ میں روپوش نہ ہوتا
تھا کون کہ غش کھا کے جو بے ہوش نہ ہوتا

خنجر ترا قاتل جو ہم آغوش نہ ہوتا
اک بار گراں سے میں سبکدوش نہ ہوتا

کچھ تاڑ گیا مست نگاہوں سے سرِ بزم
واعظ مجھے یوں دیکھ کے خاموش نہ ہوتا

ساقی تری آنکھوں کے نہ ہوتے جو اشارے
دو جام میں زاہد کبھی مدہوش نہ ہوتا

پھر دیکھتے اک گھونٹ گلے میں جو اترتی
رندوں کی طرح شیخ بلا نوش نہ ہوتا

تو آ کے تصوّر میں جو دم بھر کو ٹھہرتا
دیدار ترا خواب فراموش نہ ہوتا

پھر روح نہ یوں قالبِ خسرو میں ٹھہرتی
دم بھر کے لیے تو جو ہم آغوش نہ ہوتا

(۲۴)

بوقتِ ذبح قاتل کا کچھ ایسا تیز خنجر تھا
کہ ہر رگ سے نکلتا نعرۂ اللہ اکبر تھا

شبِ ہجراں کی بیتابی اک آفت تھی قیامت تھی
خیالِ زلفِ پیچاں میں پریشاں حال شب بھر تھا

کیا ہو تو نے ظالم امتحان غیر بھی اکثر
مگر یہ تو بتا کوئی جفاکش مجھ سے بہتر تھا

فروغِ حسن سے آئینہ خانہ بن گئی محفل
نظر جس کی پڑی تجھ پر وہ حیران اور ششدر تھا

نہ لینا اس سے بہتر تھا جواب ہی خاک پر پھینکا
دلِ خستہ تھا اے جانِ جہاں یا کوئی پتھر تھا

---

(۲۵)

کل شب کو جو اُس رُخ کے مقابل نظر آیا
ناقص مہ نو سے مہ کامل نظر آیا

ہر بزم میں وہ زینت محفل نظر آیا
ہر سب سے جدا سب میں وہ شامل نظر آیا

اک دم وہ کیا قہر تری تیغ ادا نے
بے جاں کوئی زخمی کوئی بسمل نظر آیا

سب رنج و غم دہر دیا مجھ کو خدا نے
صد شکر کہ میں اس کے بھی قابل نظر آیا

ہوش و خرد و تاب و تواں عشق سے بھاگے
ثابت قدم اس راہ میں اک دل نظر آیا

مجبور ہوئے عشق میں ہم مر کے بھی خسرو
آسان بھی اس راہ میں مشکل نظر آیا

---

(۲۶)

دل میں مرے رہتا ہے وہ اکثر نہیں ملتا
یہ اور ستم ہے کہ ستم گر نہیں ملتا
ہو جس کی تمنا وہی دلبر نہیں ملتا
جس طرح ہمارا دلِ مضطر نہیں ملتا
ہم ایسے ہزاروں ہیں ترے چاہنے والے
تجھ سا کوئی دنیا میں فسوں گر نہیں ملتا
کچھ ایسے جفا کاروں سے تقدیر لڑی ہے
انجامِ وفا جان بھی دے کر نہیں ملتا
معشوق ہو گلشن ہو مے و جام ہو خسرد
پھر دیکھیں مزا عشق کا کیوں کر نہیں ملتا

---

(۲۷)

رسوائے جہاں ہونے سے سودا نہیں ہوتا
سودا جسے ہوتا ہے وہ رسوا نہیں ہوتا
عیسیٰ سے کہو کوئی مسیحا نہیں ہوتا
بیمار جو ہوتا ہے تو اچھا نہیں ہوتا
بجلی کی طرح درد کا رہ رہ کے چمکنا
پہلو سے جو وہ جاتا ہے کیا کیا نہیں ہوتا
جب تک نہ مزا درد میں ہو درد نہیں ہے
ہو درد میں لذت تو تڑپنا نہیں ہوتا
تم دل میں ہو میرے مگر اتنا تو کہوں گا
خلوت میں کوئی دیکھنے والا نہیں ہوتا
خسرو نے کہا کشتہ انداز ادا ہوں
مرنا بھی اگر چاہوں تو مرنا نہیں ہوتا

عشق بُت عشق خدا تھا مجھے معلوم نہ تھا
میری قسمت میں لکھا تھا مجھے معلوم نہ تھا

دامِ گیسو میں حسینوں کے ازل سے میرا
دل گرفتار ہوا تھا مجھے معلوم نہ تھا

مکتب عشق میں طفلی ہی سے جانبازی کا
کیا سبق میں نے پڑھا تھا مجھے معلوم نہ تھا

قتل کرکے مجھے کہتے تھے کہیں جی نہ اُٹھے
یہ بھی انداز جفا تھا مجھے معلوم نہ تھا

میں جو بے ہوش ہوا بزم میں تم نے شاید
اس طرف دیکھ لیا تھا مجھے معلوم نہ تھا

آبِ خنجر کا پیاسا تھا میں اکثر قاتل
خاک پر لوٹ رہا تھا مجھے معلوم نہ تھا

حالِ دل شکوۂ غم ناز سے سُن کر بولے
مجھ کو معلوم ہوا تھا مجھے معلوم نہ تھا

تذکرے پر مرے مرنے کے تعجب سے کہا
ہاں کسی سے یہ سُنا تھا مجھے معلوم نہ تھا

رُخ سے زلفوں کو ہٹایا تو یہ خسروؔ نے کہا
چاند بادل سے چھپا تھا مجھے معلوم نہ تھا

(۲۹)

وہ اُن کا دیکھ لینا اور دل کا نور ہو جانا
مرے ظلمت کدہ کا پھر چراغ طور ہو جانا

ستم تھا مہرباں ہو کر ترا مغرور ہو جانا
نظر سے دل کا گرنا آئینہ کا چور ہو جانا

فروغِ حسن نے اُلٹی بساطِ زندگی ساری
ہوا لازم خمارِ عشق کا کافور ہو جانا

سرِ محفل چھلک آئی مئے خوش رنگ آنکھوں سے
مرے جذبِ وفا سے وہ ترا مخمور ہو جانا

تصوّر میں بھی وہ آئے تو زلفیں رُخ پہ چھِٹکائے
شبِ غم کو ہوا آخر شبِ دیجور ہو جانا

خزاں نے آ کے بدلی شکل اپنی پائمالی کی
گلِ عارض کا مُرجھانا دلِ رنجور ہو جانا

مرے زخمِ جگر سب پھول ہو کر کھل گئے خسروؔ
کسی کا مسکرا دینا مرا مسرور ہو جانا

ؔ یہ غزل حضرت خسروؔ کی آخری غزل ہے۔

(۳۰)

آئینہ دیکھتے نہیں جادو کے ڈر سے آپ
اللہ اب تو ڈرتے ہیں اپنی نظر سے آپ

سینے سے میرے ہاتھ اٹھاتے نہ عمر بھر
واقف نہیں ہیں لذتِ دردِ جگر سے آپ

غمگیں مجھے جو دیکھا تو افسردہ ہو گئے
کمھلا گئے ہیں دیکھیے دل کے اثر سے آپ

آنکھیں ملائیں دونوں کا ہو جائے امتحاں
ہم آفتابِ حشر سے روئے قمر سے آپ

محفل میں ان کے سامنے سو بار ہم گئے
پوچھا نہ یہ بھی آئے ہیں خسروؔ کدھر سے آپ

بیتابیوں سے نیند نہ آئی تمام رات
اشکوں سے دل کی آگ بجھائی تمام رات

چھیڑا جو آرزو نے تو وہ مسکرا دیئے
بجلی ہمارے دل پہ گرائی تمام رات

وعدہ پہ وہ نہ آئے شبِ انتظار میں
روٹھی رہی قضا بھی نہ آئی تمام رات

لیتا رہا کلیجہ میں رہ رہ کے چٹکیاں
ظالم نے مجھ سے آنکھ چرائی تمام رات

خوں کر کے آرزو کا پریشان ہو گئے
مہندی لگا لگا کے چھڑائی تمام رات

ترچھی نگاہ ناز سے دل میں اتر گئی
تلوار اُن کی خوں میں نہائی تمام رات

ہنستے ہوئے وہ آئے مگر ہائے رو دیئے
تربت پہ میری شمع جلائی تمام رات

سرکی نقاب چہرے سے جب صبح ہو گئی
زلفوں میں اپنی شکل چھپائی تمام رات

تارے بھی جھلملانے لگے آسمان پر
افشاں نے کی تھی چشم نمائی تمام رات

خسرو اداسے بزم میں دیکھا کیا کوئی
دیکھا نہیں شراب پلائی تمام رات

(۳۲)

مدعی کوئی محبت کا نہ تھا میرے بعد
حسن بے عزت و توقیر رہا میرے بعد

خار صحرائے جنوں پیاس بجھالیں اپنی
پھر نہ آئے گا کوئی آبلہ پا میرے بعد

اب تو برباد مجھے کرتے ہو یہ یاد رہے
کفِ افسوس ملو گے بخدا میرے بعد

ہوں وہ حسرت زدۂ دشت کہ غربت کے سوا
رونے والا نہ جنازے پہ رہا میرے بعد

شکر صد شکر مرے عشق نے تاثیر یہ کی
قبر سے میری اُٹھیں اُنس ہوا میرے بعد

زخم پیکان مژہ کا جو لگا تھا خرد
قبر میں دل سے مرے خون بہا میرے بعد

وہ چراتے ہیں نظر معشوق بن جانے کے بعد
چٹکیاں اب لے رہی ہیں تیر برسانے کے بعد
مسکرا کر تم کنکھیوں سے نہ دیکھو اس طرف
بجلیاں دل پر گراتے کیا ہو شرمانے کے بعد
عہد و پیماں کی حقیقت کیا ہو ان کے سامنے
پھر مکر جائیں گے وہ جھوٹی قسم کھانے کے بعد
میں جو زندہ تھا تو وہ قاتل بھی تھے سفاک بھی
اب مسیحا بن گئے ہیں میرے مر جانے کے بعد
میں گیا تو دیکھ کر مجھ کو وہ سوتے بن گئے
دل لگی کرنے لگے ہیں آنکھ لگ جانے کے بعد
دل سے جب نکلے تو وہ نظروں سے پنہاں ہو گئے
کیا پری بن کر اُڑے تصویر کھنچوانے کے بعد
زندگی خسرو کی تھی ارمان جب تک دل میں تھے
روشنی جاتی رہی ہی شمع بجھ جانے کے بعد

(۳۴)

نہ یوں دیکھئے گا ادھر بندہ پرور
بلا ہے یہ تیرِ نظر بندہ پرور

یہاں آپ آئے تو کیا یوں ہی آئے
یہ تھا جذبِ دل کا اثر بندہ پرور

شبِ غم نہ روزِ قیامت سے کم تھا
تڑپتا رہا تا سحر بندہ پرور

نظر آئے تصویرِ عشق و وفا کی
مجھے آپ دیکھیں اگر بندہ پرور

شبِ ماہ کا لطف آتا ہے دن کو
چمکتے ہیں داغِ جگر بندہ پرور

خدا جانے کس کی ہے آنکھوں کا تارا
یہ خسترد ہی رشکِ قمر بندہ پرور

نہیں افشاں جبیں سے جبیں پر
ستارے جڑ دیئے مہر مبیں پر
نظر پڑتی جو اس کا حسیں پر
ستارے سب اتر آتے زمیں پر

دماغ اُن سب کے ہیں عرش بریں پر
حسیں کیا پاؤں رکھتے ہیں زمیں پر
وہاں برسوں اُگیں گے لالہ و گل
گرے گا خون اپنا جس زمیں پر
نہ آئے وہ شب وعدہ نہ آئے
بنی جو کچھ بنی جانِ حزیں پر
وہ پوچھیں تو سبھی مرتے ہو کس پر
کہوں گا ہنس کے چپکے سے تمہیں پر
کھڑے ہیں بام پر آنکھیں جھکائے
اشارہ ہو کہ ہم تڑپیں زمیں پر
وہ مرتے دم دکھا جائیں گے دیدار
اٹھا رکھا ہے وقت واپسیں پر
برنگ شاخ گل لچکی کلائی
جو رکھا پھول دست نازنیں پر
تمنا ہائے خفتہ وصل کی شب
ہوئیں صدقے نگاہ شرمگیں پر

(۲۶)

ابھی تو سوز دروں ہی لیکن لگے اگر آگ یہ بھڑک کر
ہمارے دل سے نکل کے شعلے جہاں کو پھونکیں لپک لپک کر

یہ کیا ستم ہی کہ رو رہا ہوں کہیں نہ طوفان اٹھ کھڑا ہو
یہ کیا غضب ہی کہ ہنس رہی ہو گرے نہ بجلی چمک چمک کر

تمھیں مسیحائی کا جو دعویٰ پھر اس پہ غفلت یہ کیا ہے شیوہ
ذرا تو دیکھو مریض غم کو کہ جاں بلب ہے سسک سسک کر

ہزار مرجھائے غنچۂ دل کھلیں گے گلہائے داغ تازہ
تپش سے گرمی عشق کی یہ شرارے ہو جائیں گے دمک کر

لٹا دے میخانہ تیرے صدقے کہ مست ترسے ہیں سال بھر کے
رہیں نہ ہوش و حواس باقی شراب پی لیں یہ خوب چھک کر

کمی نہ کر فصل گل میں ساقی نہیں تو ہو جائے گی خرابی
کہیں نہ شیشے و جام توڑیں یہ رند بگڑیں کہیں بہک کر

نزاکت اس شوخ کی کہوں کیا کہ شاخ گل سے بھی ہی وہ ہلکا
جو دست نازک پہ پھول رکھا کلائی دہری ہوئی لچک کر

یہ میں نے مانا کہ غیر کوئی شریک خلوت نہیں تھا خسرو
تو میرے آنے سے کیا ہوا تھا جو رہ گئے آپ یوں جھجک کر

(۳۷)

دل ہلا آنسو گرے بہائے خنداں دیکھ کر
اور ساماں ہو گیا کچھ اور ساماں دیکھ کر

کیوں نہ خوش ہوں دشمنوں کو محو درماں دیکھ کر
دل کے زخموں میں بہار آئی نمکداں دیکھ کر

حشر میں کرتا میں کیا بیداد جاناں کا گلہ
خود پشیماں ہو گیا ان کو پشیماں دیکھ کر

کیف کا عالم ہے اور مستی بھی ہے چھائی ہوئی
مست ہوں ہر شے میں حسن روئے جاناں دیکھ کر

روح میرے جسم میں قائم ہے خسرو دید سے
زندہ رہتا ہوں میں اب تصویر جاناں دیکھ کر

---

(۳۸)

مست الست اور کبھی ہیں مست خواب اور
مجھ کو خمار جس کا ہو وہ ہے شراب اور

رُخ سے اگر حضور اٹھا دیں نقاب اور
اہل نگاہ دیکھ لیں اک آفتاب اور

ڈھائے گا ظلم ابھی ترا ظالم شباب اور
مٹی دل خراب کی ہو گی خراب اور

لطف آئے میکدہ میں جو آجائیں شیخ جی
وہ سر ہلائیں میں کہوں تھوڑی جناب اور

مجرم ہوں ہر سزا کا سزاوار اے کریم
اس کے سوا نہیں سر محشر جواب اور

چین جبیں دوست ہو خسروؔ جسے پسند
کیوں کر کہے نہ وہ کہ ہو مجھ پہ عتاب اور

۳۹

ہے عنایت کی نظر اُن کی دل وجاں کی طرف
بجلیاں چمکی ہیں مجھ برگشتہ ساماں کی طرف

گیسو بل کھا کھا کے لٹکے روئے تاباں کی طرف
جھک رہی ہیں دیکھیے کفار ایماں کی طرف

کیوں اٹھا رکھا ہے میرے خوں کا قصہ حشر پر
داورِ محشر ہو اس غارت گرِ جاں کی طرف

دل کو توڑا ہے جگر کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا
دیکھتے ہیں ناز سے وہ اپنے پیکاں کی طرف

خاطرِ غمگینِ خسرو نے دکھایا یہ اثر
چھا گئی کالی گھٹا زلفِ پریشاں کی طرف

(۴۰)

کشتۂ نازک ادا ہیں ہم
زندہ در گورِ قضا ہیں ہم
آدمی ہیں کوئی فرشتہ نہیں
کیسے کہدیں کہ بے خطا ہیں ہم
کہہ رہی ہے روش زمانے کی
اپنے مطلب کے آشنا ہیں ہم

توبہ توبہ یہ خود پسندی ہے
بُت بھی کہنے لگے خدا ہیں ہم
وہ دمِ نزع دیکھنے آئے
تیرے ممنون اے قضا ہیں ہم
بے قراریٔ دل یہ کہتی ہے
کیا کوئی آہِ نارسا ہیں ہم
ہیں شرابی شراب خوروں میں
پارساؤں میں پارسا ہیں ہم
ایک کافر پہ مرتے ہو خسروؔ
پھر یہ کہتے ہو باخدا ہیں ہم

جذبِ دل سے یہ تصور میں اتر لائیں گے ہم
دیکھ کر ترچھی نظر شمشیر بن جائیں گے ہم

اذن بھی دیدار کا ہوگا تو کیا پائیں گے ہم
جلوہ ہائے حسن میں گم ہو کے رہ جائیں گے ہم

جب خودی کی قید سے آزاد ہو جائیں گے ہم
آپ ہی اپنی نگاہوں میں نظر آئیں گے ہم

اُن کی زلفیں یوں جو اُلجھی ہیں اُلجھنے دیں اگر
اُلجھنیں دل کی کہاں لے جا کے سلجھائیں گے ہم

روئے زیبا زلف شب گوں سے نکل کر بول اٹھا
چاندنی باغ جہاں میں آج پھیلائیں گے ہم

روح کھنچ آئی ہے آنکھوں میں یہی کہتی ہوئی
آپ آئیں گے جو پہلو میں تو اترائیں گے ہم

نیچی نظروں نے چھپا رکھا ہے فتنہ حشر کا
اے خدنگ ناز اب تجھ سے بھی ترسائیں گے ہم

خاک ہو جانے سے ہستی کے یہ حاصل ہو گیا
جیتے جی اپنے تھے مر کر ان کے کہلائیں گے ہم

دیکھ لیں محفل میں دزدیدہ نظر سے وہ ہمیں
دامنِ شمشیر کے سایہ میں سو جائیں گے ہم

اضطراب شوق یوں مچلا ہوا ہے بزم میں
وہ جو آئیں گے تو خسرو کو بلا لائیں گے ہم

کوئی جاں بر نہ ہوا. تجھ سے لڑا کر آنکھیں
کاٹ کرتی ہیں تری صورتِ خنجر آنکھیں
تیر ہیں نوکِ مژہ اور ہیں خنجر آنکھیں
قتلِ عشاق کو کرتی ہیں ستم گر آنکھیں
چشم نرگس میں نہ یہ بات نہ یہ نوکِ پلک
کس کی ہیں جانِ جہاں آپ سے بہتر آنکھیں
تابِ نظارہ جو لائے نہ سرِ طورِ کلیم
دیکھ کر حسن ترا کھا گئیں چکر آنکھیں
جلوۂ مصحفِ عارض کی زیارت کے لیے
شام سے کھولے ہوئے تکتے ہیں اختر آنکھیں
چشمِ پُرنم سے رواں کب نہیں ہوتے آنسو
کب نہیں ہجر میں ہوتی ہیں مری تر آنکھیں
بہرِ تسکینِ دلِ زار کبھی جانِ جہاں
تم نے دیکھا مری جانب بھی اُٹھا کر آنکھیں
حشر برپا نہ ہو کس طرح گلی میں اُن کی
قد قیامت ہے تو ہیں فتنۂ محشر آنکھیں
جس کو دیکھا اُسے دیکھا جسے چاہا چاہا
ہم اٹھاتے نہیں ہر ایک حسیں پر آنکھیں
جس کی ٹھوکر سے جیئے مردے ہزار دل خسروؔ
ہمیں مار اسی ظالم نے دکھا کر آنکھیں

(۴۳)

وحشتِ دل کھینچ کر لائی کہاں
ورنہ میں اور کنجِ تنہائی کہاں

یہ غلط زندہ کیا بیمار کو
تم کو آئی ہے مسیحائی کہاں

صبحِ توبہ کی کوئی دیکھے کہاں
رات کی تھی بادہ پیمائی کہاں

شیخ صاحب شیشۂ مے در بغل
یہ رقم حضرت کے ہاتھ آئی کہاں

آپ کیا جانیں کہ عاشق کون ہو
سچ ہو ایسوں سے شناسائی کہاں

ڈھونڈھتا پھرتا ہوں خسروؔ ہر طرف
دیکھیے ملتا ہے ہرجائی کہاں

---

(۴۴)

اغیار پہ اُس یار کے احسان بہت ہیں
ہم گردشِ تقدیر سے حیران بہت ہیں
کچھ نفع نہیں عشق میں نقصان بہت ہیں
اِس راہ میں کانٹے دلِ نادان بہت ہیں

ہر بات میں وہ ناز سے کہدیتے ہیں ہنس کر
ہم نے بھی سُنا ہو تمھیں ارمان بہت ہیں
کون اُن پہ کرے خون کا دعویٰ سرِ محشر
آنکھیں وہ جھکائے ہیں پشیمان بہت ہیں

تڑپا دیا بے چین کیا چھین لیا دل
ایسے تو ستم گر ترے احسان بہت ہیں
جھگڑے تو بہت سے ہیں مگر بات ہو اتنی
ہم تم سے دغا کر کے پشیمان بہت ہیں
خسرؔ و سا ملے گا نہ کوئی عاشقِ صادق
گو چاہنے والے ترے اے جان بہت ہیں

(۴۵)

کوندتی پھرتی ہے اک برق سی میخانہ میں
خم سے شیشے میں کبھی شیشے سے پیمانہ میں

مستی حسن بھری آنکھ کے پیمانے میں
جھومتا کوئی چلا آتا ہو میخانہ میں

ہو عجب طرح کی وحشت ترے دیوانہ میں
دل بہلتا ہے نہ بستی میں نہ ویرانہ میں

درد کی، چھیڑ کی، الجھن کی خوشی کی غم کی
لذتیں عشق سے بھر دیں مرے افسانہ میں

متحمل نہ ہوا ظرف دو عالم جس کا
بھر دی ساقی نے وہی مے مرے پیمانہ میں

عرض حال تلق دل پہ مجھے داد ملی
کہ یہ ٹکڑا ہے مزے کا ترے افسانہ میں

چھپ گئے او غیر کے گھر رات کو جانے والے
کبھی بھولے ہی سے آجا مرے کاشانہ میں

فرق ہو شیخ و برہمن کی نظر کا خسرو
ورنہ کعبہ میں وہی ہو جو ہو بتخانہ میں

(۴٦)

گلۂ جور نہیں شکوۂ بیداد نہیں
کچھ خطا اس میں تری او ستم ایجاد نہیں
لب پہ نالہ نہیں میرے کوئی فریاد نہیں
مجھ کو شک ہے کہ وہ قاتل ستم ایجاد نہیں

دیکھ کر بزم خرابات یہ معلوم ہوا
جس میں جلوہ نہ ترا ہو وہ گھر آباد نہیں
فصل گل ہی کی فضاؤں نے پھنسا رکھا ہے
باغ میں ورنہ نشیمن نہیں صیّاد نہیں
گتھیاں عشق نے سلجھائیں یہ کہہ کر ہم سے
جو کسی کا نہیں دنیا میں وہ آزاد نہیں
زلف کی طرح سے بن بن کے سنور جاتا ہے
دل سلامت ہے تو مٹی مری برباد نہیں
ہم دل و جاں سے ہیں خسرؔو کی اداؤں پہ فدا
اس طرح آئے بتوں پر کہ خدا یاد نہیں

چاند ہے وہ رُخ زیبا ہی نہیں
کوئی بھی دیکھنے والا ہی نہیں[1]

اُن کی آنکھوں سے میں پی لیتا ہوں
جام مے ہاتھ سے چھوتا ہی نہیں

دلِ بیتاب نہ ٹھہرے گا کبھی
جو ٹھہر جائے وہ پارا ہی نہیں

اُڑ گئی ہاتھ سے رنگت قاتل
اپنے خوں کا مجھے دعویٰ ہی نہیں

آئینہ حسن کا میں بن جاتا
آپ نے بزم میں دیکھا ہی نہیں

یہ ہی اِک نقش وفا کا ٹھہرا
دل میں اب کوئی تمنّا ہی نہیں

جان میری ہو اداؤں پہ نثار
تم نے صدقہ تو اتارا ہی نہیں

بے وفا ہو کے سنورتے کیا ہو
تم نے خسرد کو سنوارا ہی نہیں

---

[1] یہ غزل بھی بالکل آخری دور کی ہے۔

رنگ تبدیل کردں آہ رسا بن جاؤں
اشک غم پانی سے کہتا ہے ہوا بن جاؤں
کیا مسیحا ہو تو ہی میرے جلانے والے
تپش دل سے ابھی آب بقا بن جاؤں
اپنی خوشبو سے میں عالم کو معطر کردوں
نکہت گل یہی کہتی ہے صبا بن جاؤں
خون ہو کر یہ دل زار کی حسرت کیا ہے
دست نازک میں ترے رنگ حنا بن جاؤں
پھر اسی ناز سے وہ زینت محفل آیا
بزم اغیار رہے ہیں برق ادا بن جاؤں
شکوہ سنجی کی نہیں ہوگی ضرورت ساقی
جام مے پی کے اگر عقدہ کشا بن جاؤں
بارک اللہ بتوں پر یہ طبیعت آئی
پہلے کافر بنوں پھر نور خدا بن جاؤں
تیرا کیا فائدہ یہ بھی تو سمجھ لے ناصح
رند میں ہو کے جو راضی بہ رضا بن جاؤں
پھول بھی ان کے نہیں ہار میں ایسے خسرو
تازگی جن کی کہے بوئے وفا بن جاؤں

(۴۹)

جلوہ فرما ہو کوئی دل کے صنم خانے میں
مستیٔ حسن بھری آنکھ کے پیمانے میں

کس قدر تند بھری ہو مری پیمانے میں
کہ چھڑک دوں تو لگے آگ ابھی میخانے میں

تاکہ باقی نہ رہی ہستی و مستی میں تمیز
بھر دو جذبات کی مے عمر کے پیمانے میں

حالِ دل کہنے کو ہوں اُن سے میں اے جذبۂ دل
بجلیاں کوٹ کے بھر دے مرے افسانے میں

میں جو پی جاؤں تو آنکھوں میں چھلک آئے گی
مے انگور بھری رکھی ہے پیمانے میں

کون آتا ہو کہیں حضرت خسروؔ تو نہیں
بانکپن کی ہی ادا آپ کے دیوانے میں

---

(۵۱)

جانتا ہو اور کہتا ہے کہ پہچانا نہیں
ہی بڑا ہشیار خسرو تیرا دیوانا نہیں

اک تصور کی بدولت دو عالم کی ہے سیر
پھر تماشا یہ کہیں آنا نہیں جانا نہیں

روندنا پامال کرنا بے کفن رکھنا مگر
اپنے کوچے سے مرے لاشہ کو اٹھوانا نہیں

سن لیے ہیں نام ہی مجنوں کے اور فرہاد کے
آپ نے اہل محبت کو ابھی جانا نہیں

دیکھتے ہی جس کو پردے سے نکل آئے تھے تم
میں وہی خسرو ہوں تم نے آج تک جانا نہیں

---

(۵۲)

تمناؤں کو اپنی اضطراب دل سمجھتے ہیں
سمجھتے ہیں تجھے بیتابیٔ بسمل سمجھتے ہیں
نہ اپنی جاں سمجھتے ہیں نہ اپنا دل سمجھتے ہیں
جسے ہم دیکھ لیتے ہیں اسے قاتل سمجھتے ہیں
چمک بجلی کی ہو پہلو میں اپنے دل کی صورت میں
اسے ہم اک شعاع خنجر قاتل سمجھتے ہیں
یہ دیوانہ محبت کا ہے اک شعلہ حقیقت کا
مرے دل کو سمجھتے ہیں تو اہل دل سمجھتے ہیں
جہاں ان کا خیال آیا نظر کے سامنے آئے
تصور کو ہم اپنے جذبۂ کامل سمجھتے ہیں
مرے آئینۂ دل میں ہیں وہ محو خود آرائی
خدنگ ناز کو اپنے وہ میرا دل سمجھتے ہیں
قیامت ہو گئی خسرو محبت کی دل آویزی
خدا کا شکر کرتا ہوں وہ دل کو دل سمجھتے ہیں

آہ سے برہمیٔ عشق کا ساماں کریں
ہم اگر چاہیں تری زلف پریشاں کریں

زندگی منحصر اعجازِ مسیحا پہ نہیں
امتحاں کیوں نہ ترا اے لب جاناں کریں

نامۂ شوق تجھے دے کے ہم اپنا قاصد
چشمِ خونبار سے آرائشِ عنواں کریں

جا کے دیکھیں گے بہارِ رُخِ جاناں وحشی
مثلِ گل پہلے ذرا چاک گریباں کریں

بال کھولے ہوئے آئیں جو سرِ شام یہاں
آپ شیرازۂ عالم کو پریشاں کریں

آخری وقت ہے آرام سے اُن کی گزرے
اس دلِ زار کو خسرو جو مسلماں کریں

ترے حسن کی کیوں پشیمانیاں ہیں
محبت میں اس دل کی بدنامیاں ہیں
ٹھہر جائے گا دل جو ٹھہر جاؤ گے تم
تمھارے لیے ساری بیتابیاں ہیں
نظر پھر گئی زخم دل اور ابھر کر
بلاخیز اُن کی یہ گل کاریاں ہیں
لیے پھر رہی ہے صبا بوئے گل کو
کسی زلف کی یہ پریشانیاں ہیں
کھلے پھول، ہنس ہنس کے پھر فصلِ گل ہیں
ترے حسنِ عارض کی رسوائیاں ہیں
جہاں یاد آئی وہاں وہ بھی آئے
مرے جذبِ دل کی یہ آسانیاں ہیں
اُنھیں دیکھنا تھا سرِ درد وفا تھا
نہ وہ ہیں نہ خسرو کی میخواریاں ہیں

(۵۵)

عزمِ فریاد نہیں اے دلِ ناشاد نہیں
مسلکِ اہلِ وفا ضبط ہے فریاد نہیں

لطف اندوز ہو اس باغ میں شبنم کی طرح
دل لگانے کی جگہ گلشنِ ایجاد نہیں

ایک میں ہوں کہ سمجھتا ہوں تمہیں جانِ وفا
ایک تم ہو کہ جسے نامِ وفا یاد نہیں

روزِ محشر وہ مجھے دیکھ کے فرماتے ہیں
ان کو دیکھا ہے کہیں ہم نے مگر یاد نہیں

اے نسیمِ سحری ساتھ لے جا سوئے بام
نفس سرد ہے نالہ نہیں فریاد نہیں

چھٹنے والوں کی طرف دیکھ کے رو دیتے ہیں
جن اسیروں کی مقرر کوئی میعاد نہیں

اُن کا وعدہ جو انہیں یاد دلایا تو کہا
کچھ کہا ہوگا کبھی اب تو مجھے یاد نہیں

جی میں آتا ہے کہ اس بھول پہ ہو جاؤں فدا
لے کے دل مجھ سے یہ کہتے ہیں مجھے یاد نہیں

میں نے اک سجدہ کیا عالمِ بدمستی میں
لوگ کہنے لگے خستہ کو خدا یاد نہیں

دل میں ہمارے سر بسر جلوہ نما یہی تو ہیں
نام ہے جن کا حسن و عشق اپنے خدا یہی تو ہیں

ظلم و ستم سے جان لی پھر نہ کہا ہنسا کیے
اس پہ یہ لطف دیکھیے ہم سے خفا یہی تو ہیں

جن کے ادا و ناز پر اپنا یہ دل نثار ہے
ایسے جہاں میں مہ لقا نام خدا یہی تو ہیں

میرے رفیق و آشنا جن کو کہ دوست کہہ سکوں
کوئی نہیں ہے دوسرا اُن کے سوا یہی تو ہیں

خسروِ بے قرار کو اور کسی سے کام کیا
اس کے لیے زمانہ میں عقدہ کشا یہی تو ہیں

عشقِ صنم سے ہو گیا اُس کے اثر کو کیا کروں
بندہ ہوں تیرا اے خدا حسنِ بشر کو کیا کروں

جور و جفا کے بعد تم مجھ سے نہ ہنس کے بول کچھ
شیشۂ دل تو چور ہو لعل و گہر کو کیا کروں

پہلو سے اٹھ گئے ہیں وہ دل مرا مانتا نہیں
صبر و قرار کیسے ہو دردِ جگر کو کیا کروں

نورِ سحر کی روشنی دہر میں ہوا کرے
مجھ کو تم پسند ہو اپنی نظر کو کیا کروں

باغ و بہار ہی تو کیا ساقی لالہ رو نہیں
جام و سبو سے کیا غرض شمس و قمر کو کیا کروں

جوشِ سرشکِ غم سے کیا آتشِ عشق بجھ سکے
سوزِ دروں کے واسطے دیدۂ تر کو کیا کروں

خسروِ بادشاہ سے وہ کہتے ہیں دل کو پھیر کر
ہو جو نہالِ بے ثمر ایسے شجر کو کیا کروں

۲؎ سنہ ۱۳۴۲ھ کا عرس شریف حضرت شاہ محمد کاظم قلندرؒ کی محفلِ سماع میں حضرت خسروؒ کی یہ غزل گائی گئی۔ ان کے پیر و مرشد حضرت مولانا حافظ شاہ علی انور قلندرؒ شمعِ محفل تھے غزل بہت پسند و مقبول ہوئی۔ بعد محفل نواب بہادر منشی تاج الدین صاحب مجذوب نے صاحبزادہ سے فرمایا کہ معراج! ہم لوگوں کو بڑے سخت مجاہدے کر کے یافتیں کرنا پڑی ہیں اور تم خوش قسمت ہو کہ تم کو حضرت صاحب قبلہ کے یہاں سے بغیر مجاہدہ و ریاضت کے نسبت بھی عطا ہوئی ہم قابلِ رشک ہو اس نسبت کی قدر کرو اور اسے کو اچھا دی بنا دو۔ حضرت خسروؒ نے والد کی اس نصیحت پر پوری طرح عمل کیا اور واقعی دل کو نی بنا دیا۔ یہ غزل حضرت خسروؒ کے ابتدائی دور ۲۲-۲۳ سال کی عمر کی ہے

(٥٨)

دل کا منشا ہو کہ آئینۂ جانانہ بنوں
آنکھ کہتی ہو کہ میں اس کا جلوخانہ بنوں

فائدہ کیا جو کسی شمع کا پروانہ بنوں
دل کا دل چاہے میں دیوانہ کا دیوانہ بنوں

میں ترے حسنِ دل افروز کا دیوانہ بنوں
شمعِ محفل تو بنے میں ترا پروانہ بنوں

چاہتی ہو یہ عقیدت مری اے پیرِ مغاں
خاک ہو جاؤں میں خاکِ درِ میخانہ بنوں

دیکھ لی ہیں جو ادائیں تری زیبائی کی
آرزو ہو دلِ بےتاب کی کیا کیا نہ بنوں

صدقے ہو جاؤں میں ساقی تری رعنائی کے
دستِ نازک میں صراحی بنوں پیمانہ بنوں

دیکھتا ہو بُتِ کافر کا جو روئے زیبا
کعبۂ دل کی تمنا ہے صنم خانہ بنوں

قیس شہرت ہو مبارک تجھے میں باز آیا
لوگ دیوانہ کہیں خلق میں دیوانہ بنوں

دل میں آجائے وہ مستی جو تری آنکھ میں ہو
میں تجھے دیکھ کے ساقی ترا میخانہ بنوں

چاہتا ہے مرا مضمونِ درخشاں خسرو
کہ چمک کر گہرِ افسرِ شاہانہ بنوں

دل جو ترا مقام ہو وہ دل کہیں نہیں
ہم ڈھونڈھتے جسے ہیں وہ منزل کہیں نہیں

تیر دناں میں کوئی مقابل کہیں نہیں
تجھ میں جو نوک ہو مرے قاتل کہیں نہیں

کشتی شکستگانِ جنوں کی نہ پوچھیے
ساحل کی سمت آنکھ ہو ساحل کہیں نہیں

ابرو سے تیغِ ناز سے لیتے رہے وہ کام
مقتل میں ہو پکار کہ قاتل کہیں نہیں

پہلو کو تاکتے تھے وہ انجام یہ ہوا
پیکاں ہو آج دل کی جگہ دل کہیں نہیں

کیا بے خودی کہیں دلِ پُر آرزو کی ہم
دنیا ہمارے دل میں ہو اور دل کہیں نہیں

پیرِ مغاں کو دیکھ کے آنکھیں سی کھل گئیں
ہم جانتے تھے مرشدِ کامل کہیں نہیں

ہر پھول پر تھے دلِ بسمل کا ہے گماں
کیوں کر کہوں چمن میں مرا دل کہیں نہیں

نکلا تھا کون شب کو اٹھائے ہوئے نقاب
تاروں میں شور ہو مہِ کامل کہیں نہیں

خسرو کہاں اب اگلے زمانے کی صحبتیں
وہ لطف وہ مذاق وہ محفل کہیں نہیں

۶۰

غزل ۔ بہ صنعت گرہ

ہم مان گئے یار کے بے ساختہ پن کو
(آئینہ میں خود چوم لیا اپنے دہن کو)

واقف نہ تھے پہلے کبھی اپنے کو جو دیکھا
(" " " " " ")

دیکھا کہ کوئی اور نہیں بلکہ ہوں میں ہی
(آئینہ میں خود چوم لیا اپنے دہن کو)

بے خود ہوئے لعل لب نوشیں کے مزے
(" " " " " ")

صناع کی صنعت پہ کیا غور جو اس نے
(" " " " " ")

صورت پہ نظر پڑتے ہی کیا دل میں سمائی
(" " " " " ")

معشوق حقیقی کا خیال آگیا ان کو
(" " " " " ")

بے چین ہوئے دیکھ کے حسن گل عارض
(" " " " " ")

گیسو سے پریشاں تھے کہ رخسار کو دیکھا
(" " " " " ")

کچھ بن نہ پڑا شکل و شمائل کو جو دیکھا
(" " " " " ")

جب ان کے دہن تک نہ رسائی ہوئی خرد
آئینہ میں خود چوم لیا اپنے دہن کو

(٦١)

جوشِ وحشت میں نہیں مانتا سمجھانے کو
کیا کہے کوئی بھلا آپ کے دیوانے کو

کچھ تو ہو جاتی ہی کم خفتِ توبہ شکنی
پی کے ہم توڑ دیا کرتے ہیں پیمانے کو

ناصحوں کو بھی زمانہ میں کوئی کام نہیں
اُن کو جب دیکھیے جب بیٹھے ہیں سمجھانے کو

بعد توبہ بھی نہیں جاتی ہی عادت میری
اب بھی بھولے سے اُٹھا لیتا ہوں پیمانے کو

ہائے[۱] خسرو کی زباں موت سے بھی رُک نہ سکی
ایک ہچکی میں کہا زیست کے افسانے کو

---

[۱] حضرت خسرو کا یہ شعر بھی بالکل ان کے حسب حال ہوا۔

٦٢

سودا کریں گے دل کا کسی دل رُبا کے ہاتھ
اس باوفا کو بیچیں گے اِک بے وفا کے ہاتھ

شکووں کا کچھ جواب جب اُن سے نہ بن پڑا
گردن میں میری ڈال دیے مُسکرا کے ہاتھ

سنتے ہی نام وصل وہ پہلو سے اُٹھ گئے
جھنجھلا کے جَلبلا کے بگڑ کر چھُڑا کے ہاتھ

بجلی چمک کے رہ گئی آنکھوں کے سامنے
منھ پر کسی نے رکھ لیے جو مسکرا کے ہاتھ

اتنا رہے لحاظ کہ رسوا نہ ہو کوئی
خسروؔ کی بھی ہو شرم تمھاری حیا کے ہاتھ

ہو جستجو تو رہبر کامل جگہ جگہ
ہر ہر قدم کے ساتھ ہی منزل جگہ جگہ
خوبانِ مہ لقا کی یہاں کچھ کمی نہیں
میرے لیے ہے کوچۂ قاتل جگہ جگہ
جوشِ جنوں کی دست درازی نہ پوچھیے
ہی چاک چاک دامنِ قاتل جگہ جگہ
اٹھا دھواں کلیجہ سے مجنوں نے آہ کی
سرکا ہوا سے پردۂ محمل جگہ جگہ
یوں منتشر چمن میں ہیں اوراقِ برگِ گُل
ٹپکے ہیں اشکِ خونِ عنادل جگہ جگہ
نقشِ قدم کو دیکھ کے اس خوش خرام کے
آتا ہی یاد مجھ کو مرا دل جگہ جگہ
اُس شوخ کی گلی کسی مقتل سے کم نہیں
دیکھے ہیں لوٹتے ہوئے بسمل جگہ جگہ
رویا تھا قیس دشت میں ایسا کہ آج تک
ملتے ہیں پارۂ جگر و دل جگہ جگہ
خسرو ادا و ناز کا شکوہ میں کیا کروں
تقسیم ہو رہا ہے مرا دل جگہ جگہ

(۶۴)

زندگی خود موت کا پیغام ہے
اس پہ تکیہ یہ خیالِ خام ہے

کس قدر بے چین ہے قالب میں روح
ایک طائر ہے کہ زیرِ دام ہے

خط میں کچھ ہے نامہ بر کہتا ہے کچھ
واہ کیا تحریر کیا پیغام ہے

وقتِ آخر ہے جو اس زانو پہ سر
نزع کی تکلیف بھی آرام ہے

اس قدر کم ہے بہارِ زندگی
تھوڑی ساغر میں مئے گلفام ہے

عشق کی ہیں کچھ نرالی بخششیں
درد اس سرکار کا انعام ہے

پینے والوں پہ نہیں کچھ اعتراض
وعظ کی محفل میں مے بدنام ہے

یاس میں باقی ہے جو حسرتِ امید
زندگی شاید اسی کا نام ہے

(۶۵)

لوٹ ہی لیتے ہو جس دل پہ نظر ہوتی ہے
لٹنے والے کی بھی کچھ تم کو خبر ہوتی ہے

اک مرے حال سے رہتی ہے مگر بے خبری
یوں تمھیں سارے زمانہ کی خبر ہوتی ہے

آج بھولے سے کہیں اُن کو میں پھر یاد آیا
آج پھر کچھ خلشِ دردِ جگر ہوتی ہے

ہو کے بیتاب یہ کمبخت بھی اترا تا ہے
مہربانی تری اس دل پہ گراں ہوتی ہے

رائیگاں ہو نہیں سکتی کبھی آہِ خسرو
بے اثر یہ نہیں ہاں دیر اثر ہوتی ہے

---

(۶۶)

نگاہِ ناز میں شرم و حیا ہے

قیامت خیز ہنگامہ بپا ہے

کھلے ہیں پھول گلشن میں فضا ہے

ترا نشو و نما آب و ہوا ہے

نقابِ رخ جو سرکی شب کو بولے

سمجھتے ہو کہ تڑکا ہو گیا ہے

پلا مجھ کو شرابِ ناب ساقی

بہار آئی ہے سبزہ ہے گھٹا ہے

کہاں جائے ترا مے نوش ساقی

تری آنکھوں سے وہ مے پی رہا ہے

انھیں کا دل بھی خوگر ہو گیا ہے

ستم گر بے مروت بے وفا ہے

وہ دز دیدہ نظر یہ کہہ رہی ہے

ملے چوری سے بھی تم کو روا ہے

ہمارے خون سے کھیلی ہے ہولی

وہ کہتے ہیں کہ یہ رنگِ حنا ہے

ارے سن او شہیدِ ناز خرد

سخن کا تیرے طوطی بولتا ہے

ٹھنڈی ہوا ہے اور گھٹا ہے گھری ہوئی
ساقی ترا بھلا ہو بجھا دے لگی ہوئی

برہم ہوا مزاج خفا نازکی ہوئی
کھولی گئی نہ آپ سے چوٹی گندھی ہوئی

چینِ جبیں چھری تھی کٹاری ہوئی ادا
پیاسی ہو کی ایک تھی یہ دوسری ہوئی

زینت کرے گی خونِ تمنا شبِ وصال
چھوٹے گی صبح تک کہیں مہندی لگی ہوئی

اس زلفِ پرشکن سے لڑے آنکھ کیا مجال
تارِ نگاہ میں بھی ہے گتھی پڑی ہوئی

اللہ ری اُن کی موجِ تبسم کی شوخیاں
آئی ہنسی بھی ہونٹوں پہ منھ چومتی ہوئی

بل کھا رہی ہیں یوں رخِ رنگیں پہ کاکلیں
جیسے چمن میں آئے گھٹا جھومتی ہوئی

ہو لطف میکدہ پہ جو اک دم برس پڑے
قبلہ سے پھر اٹھی ہے گھٹا جھومتی ہوئی

اے چشمِ تر کہیں تری ڈوبے نہ آبرو
ان آنسوؤں سے خاک بجھے گی لگی ہوئی

خسرو کا نام کیسے ہو روشن بسِ فنا
اک شمع ہے مزار پہ وہ بھی بجھی ہوئی

(۶۸)

خیالِ خام ارماں بس کہ فرصت دل کو دم بھر کی
خرابی اور کیا منظور ہے بگڑے ہوئے گھر کی

بھلا وہ خاطرِ افسردہ کی تسکین کیا جانیں
جنھوں نے خود نمائی خود پرستی زندگی بھر کی

سمجھتے ہیں کہ ہیں ساقی ہی ساقی دین و دنیا میں
ہمارے دامنِ تر میں جھلک ہے موجِ کوثر کی

تہِ خنجر تڑپ اٹھا کہ ناہموار کوچہ تھا
زمینِ کوئے قاتل لوٹ کر میں نے برابر کی

ہوئے وہ قصہ ہائے دردسن کر بے خبر خستہ
کہیں کس سے پریشانی ہم اپنے قلبِ مضطر کی

زُلفیں بنا بنا کے بگاڑا نہ کیجیے
اُلجھن ہمارے دل کی بڑھایا نہ کیجیے

مجھ کو نگاہِ شوق سے دیکھا نہ کیجیے
یا میرے اضطراب کا شکوا نہ کیجیے

تاثیر جب تک آہ میں پیدا نہ کیجیے
ملنے کی اس سے آپ تمنا نہ کیجیے

گھٹ گھٹ کے جان ہجر میں دیدیجیے مگر
سوزِ غمِ فراق کا شکوا نہ کیجیے

شرمندہ ان کو دیکھ کے کہتا ہے دل مرا
محشر میں اپنے خون کا دعویٰ نہ کیجیے

رُسوا کرے یہ دل نہ سرِ حشر آپ کو
اِس سے حضور وعدۂ فردا نہ کیجیے

میں دیکھ لوں گا چشمِ تصور سے آپ کو
میری نگاہِ شوق سے پردا نہ کیجیے

گرتی ہیں میرے خرمنِ ہستی پہ بجلیاں
ہنس کر چمن میں پھول کو توڑا نہ کیجیے

ساقی کی آنکھ دیکھ کے مخمور ہو گیا
ایسی شراب سے کبھی توبہ نہ کیجیے

خسترؔ یہی ہے حاصلِ رودادِ زندگی
مرجائیے کسی کی تمنّا نہ کیجیے

(٧٠)

ساقی نامہ

ہو مبارک تجھے یہ جام و صراحی ساقی
سب سلامت رہیں یہ تیرے شرابی ساقی

خم کے خم مجھ کو دیئے جا کہ بہار آئی ہی
ترے ہاتھوں مری ہو جائے خرابی ساقی

تیرے میخانہ پہ یہ حق ہی یہیں پیتا ہوں
ہو ہمیشہ سے تری بندہ نوازی ساقی

ایسی مے اور کہیں جاؤں تو ملتی ہی نہیں
اتنی جو کمی ہی کہ قطرہ بھی ہو کافی ساقی

یہ سمجھتا ہوں مگر دل میں تمنا ہی یہی!
نہ رہے مے نہ تمنا رہے باقی ساقی

سارا میخانہ اڑا جاؤں بلا نوش ہوں میں
تجھ سے سب چھین کے کر دوں تجھے خالی ساقی

اپنی آنکھوں سے نئے میکدے پیدا کروں
بن کے دل تیرا کروں جلوہ نمائی ساقی

یہ طبیعت مری پھر جوش پہ آئی ساقی
پھر ہوا اس میں وہی میرے سمائی ساقی

پھر اسی جام سے دیوانہ بنا دے مجھ کو
پھر وہی مے ہو وہی ہوش رُبائی ساقی

ایسی مے ہو کہ جسے پی کے میں اتنا بہکوں
خرد کو ساقی کہوں اور تجھ کو شرابی ساقی

جیسے چہرہ نظر آتا ہے گلابی تیرا
مجھ کو ایسی ہی پلا دے تو گلابی ساقی

جیتے جی تو نہ رہا یاد تو وہ بھی نہ رہا
ہو گیا ہے وہ ازل سے ترا ساتھی ساقی

مستیٔ عشق نے خسرو کی یہ حالت کر دی
مل گیا خاک میں کیا دھول اڑائی ساقی

(۷۱)

آہ یہ کچھ کارگر نہیں ہوتی
اُن کے دل کو خبر نہیں ہوتی

کیجیے اب غلام کو آزاد
بندہ پرور بسر نہیں ہوتی

دلِ عاشق سے جو نکلتی ہے
وہ دُعا بے اثر نہیں ہوتی

رات دن دیکھتے ہو آئینہ
تم کو اپنی نظر نہیں ہوتی

بے مئے خوش گوار وصل نگار
زندگانی بسر نہیں ہوتی

محو ہیں جو خیالِ جاناں میں
خسرو اپنی خبر نہیں ہوتی

---

(۶۲)

نہ پوچھو جانِ من کیفیتِ سوزِ نہاں میری
زباں تک آئے حالِ دل تو جل جائے زباں میری
ہنسی میں دل لگی میں جان ہی جانے لگی اپنی
طبیعت آگئی اُن پر نصیبِ دشمناں میری
تماشا ہو گل و سنبل پہ اپنی جان دیتا ہوں
کوئی دیکھے تو گلشن میں بہار اُن کی خزاں میری
تم اپنے بام سے فریاد کرنے کی اجازت دو
یہاں سے تو نہیں سنتا ہے ظالم آسماں میری
ستم کرنا نہیں اچھا مجھ ایسے خستہ حالوں پر
جلا دے گی تجھے اے آسماں آہ و فغاں میری
نہیں آساں ہے جذبِ عشق کے جھونکوں سے بچ جانا
اُڑیں گی حضرتِ خسرو جنوں میں دھجیاں میری۔

---

(۷۳)

ٹپکتا ہو یہی انداز بیتابیِ بسمل سے
عجب کیا اُڑ کے خنجر چھین لے یہ دستِ قاتل سے

وہی نکلے گا محرم تمنا اُس کی محفل سے
محبت میں جو بے بہرہ رہا ہو عشقِ کامل سے

تلافی کیا نہیں ہوتی ہو ہوتی ہو محبت میں
کدورت کیا نہیں مٹتی ہو مٹتی بھی ہو یہ دل سے

کہاں کا طالبِ دیدار کیسا شوقِ نظارہ
وہاں تو اک جھلک کا سامنا ہوتا ہو مشکل سے

یہاں تک شوقِ جانبازی کا تم کو بڑھ گیا خسرو
گلے ملتے ہو خنجر سے چھری سے تیغِ قاتل سے

---

(۴۷)

کافر بتوں کی اب ہمیں الفت نہیں رہی
وہ دل نہیں رہا وہ طبیعت نہیں رہی

اے درد چاہیے تجھے تھم تھم کے تو اُٹھے
اب وہ ترے مریض میں طاقت نہیں رہی

اللہ رے تمہاری تلون مزاجیاں
پہلی سی وہ نگاہِ عنایت نہیں رہی

ان کے قدم جو آئے مکاں جگمگا اٹھا
اب وہ شبِ فراق کی ظلمت نہیں رہی

ہم رات بھر یہ دل کو تسلّی دیا کیے
اب صبح ہوتی ہے شبِ فرقت نہیں رہی

آیا شباب شرم و حیا کو لیے ہوئے
شوخی نہیں رہی وہ شرارت نہیں رہی

وہ قتل کر کے مجھ کو یہ کہتے ہیں ناز سے
اب دل میں اس کے کوئی بھی حسرت نہیں رہی

خسرؔو ہوئے جو خوگرِ جور و جفائے یار
اس نازنیں میں ہائے نزاکت نہیں رہی

رواں یوں وہ تیغِ ادا ہو گئی
شہیدوں میں شامل قضا ہو گئی
نظر اُن کی ترچھی ذرا ہو گئی
تو گویا قیامت بپا ہو گئی
جو برہم وہ زلفِ رسا ہو گئی
پریشانیِٔ دل سوا ہو گئی
گیا باغ میں جب وہ رشکِ چمن
تو رنگت گلوں کی ہوا ہو گئی
یہ کہہ کر منایا انہیں وصل میں
چلو ہو گئی جو خطا ہو گئی
نہیں ایک خسرو ترا شیفتہ
خدائی تری مبتلا ہو گئی

---

(۷۶)

جو میکدے میں کہیں اذنِ عام ہو جائے
جہان میں مرے ساقی کا نام ہو جائے

نہ پوچھیے مرا قصہ بہت ہے طولانی
سحر سے کہنے جو بیٹھوں تو شام ہو جائے

بیوں فراق میں تیرے جو بھول کر ساقی
حرام بادۂ گلگوں کا جام ہو جائے

جو اک سرے سے چھری حلق پر پھرے قاتل
بلاکشانِ محبت کا کام ہو جائے

نقاب رُخ سے الٹ کر جو بام پر بیٹھو
ہلال عید کا ماہ تمام ہو جائے

اُنھیں کا ذکر میں ہر دم کیا کروں خسرو
یہی وظیفہ مرا صبح و شام ہو جائے

۶۶

دل دیا ان کو تو وہ دشمنِ ایماں نکلے
اُن کے غمزے بھی مری جان کے خواہاں نکلے

رو دیے میرے جنازہ پہ یہ کہہ کر سب سے
مر کے بھی دل سے نہ اس کے کوئی ارماں نکلے

یاد آئیں جو کبھی ہجر میں زلفیں اُن کی
میں نے نالے جو کیے وہ بھی پریشاں نکلے

وصل کی شب بھی عجب شب تھی سحر کو جس کی
ہم بھی بے چین اُٹھے وہ بھی پشیماں نکلے

دیکھ پایا ہی کیسے حضرت خسرو تم نے
سچ کہو کس لیے یوں بے سر و ساماں نکلے

---

(۶۸)

اس عشق کا اغیار میں چرچا نہ کریں گے
معشوق کو اپنے کبھی رسوا نہ کریں گے

حسرت نہ کریں گے کہ تمنا نہ کریں گے
یہ حضرتِ دل دیکھیے کیا کیا نہ کریں گے

دل دے کے زباں سے انھیں معشوق کہا ہے
محشر میں بھی ہم خون کا دعویٰ نہ کریں گے

بے چین ہوئی جاتی ہے یاد آپ کی دل میں
بھولے سے شبِ ہجر کراہا نہ کریں گے

بیمار ترے اور مسیحا کریں اچھا
مر جائیں گے لیکن یہ گوارا نہ کریں گے

سرکا کے کفن منہ مرا دیکھا تو یہ بولے
جی اٹھو خدا را تمھیں چھیڑا نہ کریں گے

کر لیں گے موافق دلِ خسرو کو ہم اپنے
بے تابیِ دل کا کبھی شکوا نہ کریں گے

بے وفا بھی ہے دل آزار بھی ہے
مہرباں بھی ہے طرح دار بھی ہے

بل جبیں پر ہے تبسم لب پر
مجھ سے انکار بھی اقرار بھی ہے

اُن کے تیور یہ کہے دیتے ہیں
پاس خنجر بھی ہے تلوار بھی ہے

کیا کہوں دل کی حقیقت کیا ہے
پارسا بھی ہے گنہگار بھی ہے

دل بھی پھُنک جائے جگر جل جائے
دیکھیے آتشِ رُخسار بھی ہے

سُرمگیں آنکھ کے جادو دیکھو
ہاتھ میں شوخ کے تلوار بھی ہے

توبہ پھر توڑ دے میرے ساقی
ابرِ رحمت بھی ہے گلزار بھی ہے

چشمِ ساقی ہے نرالی خسرو
مست بھی رہتی ہے ہشیار بھی ہے

(۹۰)

سب سے پہلے ایک وعدہ کیجیے
دل کے تڑپانے سے توبہ کیجیے

انگلیاں اٹھنے لگی ہیں بزم میں
یوں مری جانب نہ دیکھا کیجیے

زندگی پُرکیف بنتی ہے یوں ہی
کیجیے خونِ تمنّا کیجیے

اللہ اللہ یہ جمالِ دل فریب
دیکھیے ایسا کہ دیکھا کیجیے

اس قدر برہم نہ ہوں خسروؔ سے آپ
بات دیوانے کی سمجھا کیجیے

---

(۸۱)

یار سے اک بات کہنی رہ گئی
یہ تمنّا دل میں باقی رہ گئی

پوچھ لینا تھا ملو گے یا نہیں
زندگی اب اپنی تھوڑی رہ گئی

تیغِ قاتل بھی نہ آسودہ ہوئی
وہ ہمارے خوں کی پیاسی رہ گئی

ہم کو سودائی کیا رسوا کیا
زلف پھر اُلجھی کی اُلجھی رہ گئی

عشق بازی نے ہماری جان لی
مر گئے ہم عشق بازی رہ گئی

تم کھنچے اس سے تو مے بھی کھنچ گئی
رُوح میکش کی ترستی رہ گئی

دفن کرنے بھی نہ تم آئے اسے
آرزو خسرو کے دل کی رہ گئی

(۸۲)

مایوس کیجیے نہ مجھے مان جایئے
میرا ہی خسرو نام ہے پہچان جایئے
لیتے نہیں وہ جنس وفا کو نہیں سہی
ہم خود بڑھائے لیتے ہیں دوکان جایئے
بے اختیار دل یہی کہتا ہے بزم میں
ساقی کی بات بات پہ قربان جایئے
کہتی ہے روح عشق کی دولت کو لوٹ کر
سب کچھ ہمیں دیا ترے قربان جایئے
خسرو سا پا شکستہ ملے گا نہ اے خضر
صحرا کی ساری خاک اگر چھان جایئے

---

(۸۳)

ابتدا میرے لیے ہے انتہا میرے لیے
میں جو اُس کا ہوگیا وہ ہوگیا میرے لیے

وقتِ آخر تم نہ آئے میں تڑپ کر رہ گیا
واہ اتنا بھی نہ تم سے ہو سکا میرے لیے

ہجر میں صورت دکھا کر تم جو پنہاں ہوگئے
روئے انور تھا کہ صبحِ دل کشا میرے لیے

کوئے جاناں کی طرف میں خود بخود جاتا ہوں کیوں
دل ہے پہلو میں مرے قبلہ نما میرے لیے

اس پری رو سے جو پوچھا کس کو زیبا ہے جفا
ہنس کے شوخی سے وہ یہ کہنے لگا میرے لیے

سچ تو یہ ہے اک وجودِ حق تعالیٰ کے سوا
کون ہے عالم میں نشتر دوسرا میرے لیے

پھر بہار آئی جنوں پھر وہی ساماں ہوں گے
پھر وہی ہم ہیں وہی دشت و بیاباں ہوں گے

ڈھائیں گے خود ہی ستم خود ہی پشیماں ہوں گے
جو بڑھا دیتے ہیں وحشت وہی ساماں ہوں گے

بیڑیاں شور مچائیں گی تو غلِ زنجیر بپا
کچھ عجب شان سے ہم داخلِ زنداں ہوں گے

میل اچھا نہیں خوبانِ دغا پیشہ سے
جو وفا ہو نہیں سکتے وہی پیماں ہوں گے

پختہ کارانِ جنوں کا کہیں بدلا ہے مزاج
حشر کے روز بھی ہم چاک گریباں ہوں گے

نہ مٹی حسرتِ دیدار جو حسرت دل سے
خاک بھی ہوں گے تو خاکِ درِ جاناں ہوں گے

---

(۸۵)

اُن کی رخصت کے شبِ وصل جو ساماں ہوں گے
صبح کے ساتھ ہی ہم چاک گریباں ہوں گے

سونگھنے والے ہیں جو لوگ تری زلفوں کے
نکہتِ گل سے دماغ اُن کے پریشاں ہوں گے

سر پہ جس نے کہ لیا روزِ ازل عشق کا بار
اور کوئی نہیں یہ حضرتِ انساں ہوں گے

تیرے دامن کی ہوا کا ہے لقب بادِ بہار
جب یہ چل جائے گی گُل چاک گریباں ہوں گے

کاش آئینِ جنوں میں بھی یہ لکھا ہوتا
جن کے دل چاک ہیں وہ چاک گریباں ہوں گے

زُلفِ مشکیں نے بنایا تو ہے کافر ہم کو
دیکھ کر عارضِ پُر نور مسلماں ہوں گے

روئے روشن پہ نظر آتے ہیں اُن کے گیسو
کیا خبر تھی کہ یہ غارت گرِ ایماں ہوں گے

دیکھ لے ترچھی نظر سے تو ہمیں بھی قاتل
تیری تلوار کے شرمندۂ احساں ہوں گے

اُن کی محفل میں گزر ہو گا جو اپنا خسرو
کبھی گریاں کبھی خنداں کبھی حیراں ہوں گے

وصل کی بھی رات تھی کیا رات جس کی صبح کو

مسکراتے ہم اُٹھے ہیں اور وہ شرماتے ہوئے

ایک بھی مانی نہ مجھ نا عاقبت اندیش نے

عمر گذری ناصحِ مشفق کو سمجھاتے ہوئے

تم جو آئے بزم روشن ہو گئی اے رشکِ ماہ

خود بخود دیکھا بجھی شمعوں کو جل جاتے ہوئے

ہنس کے فرمانے لگے باقی ہے اب تک سوزِ دل

قبرِ خسرؔو پر جو دیکھے پھول مرجھاتے ہوئے

ہیں اس وقت تصویر کھینچ لی جائے. چنانچہ لکھنؤ سے فوٹوگرافر بلوایا گیا اس نے ایک جگہ کیمرہ چھپا کر رکھ دیا۔ اتفاق سے ادھر سے حکیم عبدالحلیم صاحب بھی گذرے ان کے استفسار پر صورت حال بتا دی گئی انھوں نے بہ زعم بزرگی و رشتہ داری کہا واہ چھپنے کی کیا ضرورت سامنے آکر کھینچو اور مصر ہوئے اتنے میں حضرت صاحب قبلہ درگاہ سے باہر نکلے حلیم میاں نے جو رشتہ میں چچا تھے اور حضرت صاحب ان کا بہت ادب و لحاظ فرماتے تھے آگے بڑھ کر کہا آج آپ کو تصویر کھنچوانا ہے آپ نے انکار کیا اور مسکرا کر فرمایا کہ حلیم چچا تصویر تو کسی حسین و جمیل اور نوجوان کی کھینچیے. مجھ بڈھے کی کیا ضرورت ہے لیکن انھوں نے زور دے کر کہا نہیں آپ کو کھنچوانا پڑے گی. چنانچہ آپ کو یہ بات ناگوار ہوئی اور فرمایا اچھا ہم کھڑے ہیں جتنی تصویریں جی چاہے کھینچ لیجیے. نہ معلوم کتنی تصویریں کھینچی گئیں مگر ایک بھی سوا دھوئیں کے کچھ نہ آئی. حضرت خسرؔو کا یہ شعر اسی پر مبنی معلوم ہوتا ہے۔ ۱۲ منہ

روئے زیبا نے یہ کیا کیا ہے
چاندنی رات کی فضا کیا ہے
ناز کیا چیز ہے ادا کیا ہے
اے خدا یہ معاملہ کیا ہے
لے لیا دل تو جستجو کیوں ہے
میرے پہلو میں اب رہا کیا ہے
میرے ساقی بہار آئی ہے
مے پلا مجھ کو دیکھتا کیا ہے
فتنہ پرداز گیسوؤں والے
دل کے لینے سے فائدہ کیا ہے
جان لے کر ادا سے یوں بولے
ناوک ناز نے کیا کیا ہے
مجھ کو آنکھیں دکھا کے کہتے ہیں
تم نہیں جانتے قضا کیا ہے
عشق بازی میں مٹ گئے خسرو
دلِ خانہ خراب کا کیا ہے

---

(۸۶)

کچھ جھجکتے، مسکراتے، رکتے اٹھلاتے ہوئے
یہ کہاں جاتے ہیں سرکار آفتیں ڈھاتے ہوئے

دل بھی ناداں وہ بھی ناداں شوخ وہ یہ بے قرار
ایک مدت ہو گئی دونوں کو سمجھاتے ہوئے

لڑکھڑاتی ہو زباں نام اس کا بتلاتے ہوئے
جس کے گھر سے ہم نے دیکھا ہو تمھیں آتے ہوئے

کھنچتے ہیں عالم میں ہم سا دوسرا ہو جائے گا
وہ بہت کھنچتے ہیں تصویر اپنی کھنچواتے ہوئے

لہ حضرت مولانا حافظ شاہ مجتبیٰ حیدر قلندر مدظلہ العالی نے راقم السطور سے بیان فرمایا کہ یوسف وقت حضرت شاہ حبیب حیدر قلندرؒ از روئے شریعت کبھی تصویر نہ کھنچواتے تھے بلکہ جب بھی کسی نے فرمائش کی تو منع فرما دیا اس کے بعد بھی اگر اس نے کھینچ لی تو آئی ہی نہیں حضرت خسرو نے جو آپ کے یار غار بھی تھے سجادہ نشینی سے قبل نو عمری میں آپ کی دو ایک تصاویر اپنے ساتھ زبردستی کھنچوائیں چنانچہ صرف وہی صاف بھی آئیں۔ سجادہ نشینی کے بعد اکثر حضرات نے حضرت خسرو سے درخواست کی کہ اگر آپ چاہیں تو حضرت صاحب قبلہ کی تصویر آسکتی ہے لیکن وہ ہمیشہ جواب میں یہی کہتے کہ تصویر وہ کھنچوا کر اپنے پاس رکھے جسے اُن کے بعد زندہ رہنا ہو میں کیوں کھنچواؤں مجھے تو ان کے بعد رہنا نہیں ہے (گویا اپنی وفات کی بہت عرصہ پہلے خبر دیدی تھی)۔ ایک مرتبہ چند نو عمروں نے یہ طے کیا کہ حضرت صاحب جب درگاہ حضرت شاہ علی انور قلندر سے فاتحہ پڑھ کر خانقاہ شریفہ میں آتے

بے نیازی ہے تمھارے نام کی
بندگی اس بندۂ بے دام کی

دو قدم چلنا تمھارا ناز سے
لاکھ جانیں چرخ نیلے فام کی

دختر رز پر نہ ڈورے ڈالیے
شیخ صاحب آپ کے کس کام کی

آ چکے تم حسب وعدہ آ چکے
کھا چکے قسمیں سحر کی شام کی

ہے وہی جنت جہاں مل جائے آج
ایک بوتل بادۂ گلفام کی

دن پھرے ہیں رند مے آشام کے
کہہ رہی ہے ہنستی صورت جام کی

سرگزشت خسرو و بیدل نہ پوچھ
کیا کہیں آغاز اور انجام کی

بے وفا سے دل لگائے جائیں گے
اپنی قسمت آزمائے جائیں گے

اے جزاک اللہ قاتل مرحبا
تیرا خنجر دل پہ کھائے جائیں گے

اب نہ چھیڑو یہ لبِ زخمِ جگر
تا قیامت مسکرائے جائیں گے

اُن کو رُسوا اُن کو بے پروا کریں
داغِ دل کو ہم چھپائے جائیں گے

اے نگاہِ ناز کیا کہنا ترا
تجھ کو آنکھوں سے لگائے جائیں گے

تم جو دیکھو گے بہار آجائے گی
پھول دل کے مسکرائے جائیں گے

یاد کر کے تجھ کو جانِ آرزو
آنسو آنکھوں سے بہائے جائیں گے

روشنی پھیلی ہے محفل گرم ہے
دل کو خسرو کے جلاتے جائیں گے

(۹۰)

ہم نے کی توبہ پارسائی سے
بڑے جھگڑے بڑی لڑائی سے
آئے دن روز کی جدائی سے
باز ہم آئے آشنائی سے
ایسی کافر صنم پرستی میں
دشمنی ہو گئی خدائی سے
حور ہو مئے ہو خلد ہو واعظ
کہیں ملتی ہے جبّہ سائی سے
پھیرتے حلق پر مرے خنجر
دیکھ لے مڑ کے کج ادائی سے
ہم نے توڑی ہی توبہ کیا ساقی
شیشۂ مئے کی رہنمائی سے
نارسا زلف کھل گئی آخر
میری تقدیر کی رسائی سے
روح بن کر ہوا میں اڑتا ہوں
تھا میں عاجز شکستہ پائی سے
مل گیا ہم کو میکدہ خسرو
چشم میگوں کی رہنمائی سے

(۹۱)

وہ رند ہوں میں کہ مجھ کو زاہد سرور ہوتا ہے ذکرِ مے سے
شباب میں اجتناب کیسا کروں گا توبہ نہ ایسی شے سے

نظر ملائی کہ تیر مارا غضب ہے آنکھوں کا یہ اشارہ
وہ چوٹ کھائی کہ دل پکارا خبر نہ تھی آپ ہوں گے ایسے

ملال و اندوہ و یاس و حرماں، غم و الم اشتیاق و ارماں
رفیق مجھ کو ملے ہیں کیا کیا انیس میرے ہیں کیسے کیسے

نہ لفظِ اقرار سے مسرت نہ حرفِ انکار سے شکایت
کہ ہم ہیں دیوانۂ محبت ہمیں غرض کیا نہیں سے ہے سے

وہ سن کے بیتاب ہو گئے ہیں ہمارے منہ پر یہ کہہ رہے ہیں
عجیب دل کش ہیں تیرے نالے جگر میں اترے صدائے نے سے

فغاں جو کی اُن کے در پہ خسرو تو حکم درباں کو یہ پہونچا
نکالو اس کو یہ کون آیا ہزاروں پھرتے ہیں ایسے ویسے

---

(۹۲)

دمِ آخر وہ یاد آئے نہ آئے
مرے دل کو قرار آئے نہ آئے

پلا ساقی تری آنکھوں کے صدقے
کہ پھر فصلِ بہار آئے نہ آئے

یہ دل اُن کی نظر سے پوچھتا ہی
ترے زد پر شکار آئے نہ آئے

اداؤں پر تمھاری بندہ پرور
مرا دل بار بار آئے نہ آئے

کسی کے زلف و رُخ سے کہہ رہا ہوں
کہ یہ لیل و نہار آئے نہ آئے

تری محفل میں اے ہنگامہ آرا
یہ خسرو جاں نثار آئے نہ آئے

---

(۹۳)

بجلی کا طرز سیکھ لیا چشمِ یار نے
دیکھا تو مر گیا وہ چلے جس کو مار نے
لذّت ملی ہے اور بھی دردِ فراق سے
چمکائے داغ دل کے شبِ انتظار نے
مٹی ہماری عشق میں برباد ہو گئی
ایسی اڑائی گرد کسی شہسوار نے
میری وفا شعاریاں افسانہ ہو گئیں
یہ کیا کیا ہے آپ کے دل کے غبار نے
دل میرا لے کے محوِ تماشا وہ ہو گئے
بیٹھے ہیں آئینہ لیے زلفیں سنوارنے
رکھ لی ہے بات آپ کی زلفِ دراز کی
سر کی بلائیں لے کے کسی جاں نثار نے
مے خانے میں جو آئے ہیں واعظ تو سیجئے
ورنہ یہاں نہ آئیے شیخی بگھارنے
اللہ ری آب و تاب فروغِ شباب کی
ان کو گلے لگا لیا موتی کے ہار نے
خسرو کے زخم تازہ ہوئے پھول کھل گئے
"اس مرتبہ تو آگ لگا دی بہار نے"

(۹۴)

فرقت کا داغ سینہ پہ کیوں کر اُٹھائیں گے
سمجھا کے دل کو فتنۂ محشر اُٹھائیں گے

بیتاب ہو کے آیا ہوں میں اُن کے سامنے
اس آرزو میں آج وہ خنجر اٹھائیں گے

میرے دل و جگر کو نشانہ بنایئے
ہر چوٹ آپ کی یہ برابر اٹھائیں گے

صدمے دلوں پہ گزرے ہیں اس کی خبر نہ تھی
شیشے تمہارے عشق میں پتھر اٹھائیں گے

بجلی گرے گی غیروں پہ یہ دیکھ لیجئے
محفل سے آپ مجھ کو جو ہنس کر اٹھائیں گے

اے آسماں تیری اڑا دیں گے دھجیاں
خسروؔ اگر جنوں میں کبھی سر اٹھائیں گے

جنوں خیز وحشت کا ساماں کریں گے
گریباں میں پیدا گریباں کریں گے
قفس میں نشیمن کا رونا ہی کیا ہے
چھٹیں گے تو رہنے کا ساماں کریں گے
الجھتے ہیں الجھا کریں خارِ صحرا
ہم اب لے کے کیا جیب و داماں کریں گے
رہی ضد اگر بخیہ گر کو اسی کی
تو ہم اور پرزے گریباں کریں گے
دمِ تیغِ عریاں سے زندہ رہیں گے
تجھے آج قاتل پشیماں کریں گے
وہ کہتے ہیں کوئی جو چھیڑے گا ہم کو
تو ہم اپنی زلفیں پریشاں کریں گے
گلے پر چھری جن سے پھرتی نہیں ہے
مری مشکلیں کیا وہ آساں کریں گے
اگر نیند آئے تو سو جاؤ خسرو[1]
وہ جلوے دکھائیں گے حیراں کریں گے

---

[1] اس شعر کا مضمون شاعرانہ تخیل سے بالاتر اور حضرت خسرو کے اس اصلی حال کا مکمل آئینہ دار ہو جو وقت وفات تھا یہ غزل اُن کے آخری دور کی ہے۔ ۱۲

کیا چیز ساتھ لائے ہیں کوئے حبیب سے
ہاتھ آ گئی ہو درد کی دولت نصیب سے
آئینہ پر نگاہ جو کی دل تڑپ گیا
کیا ہو اگر وہ آنکھ ملائے رقیب سے
نالے تو بے اثر تھے مگر دل سے آہ کی
ضبط فغاں بھی ہو نہ سکا عندلیب سے
صورت بدل گئی ہے کہ پہچانتے نہیں
جھک جھک کے مجھ کو دیکھ رہی ہیں قریب سے
مدِ نظر جو مجھ کو جلانے کی فکر ہو
اس ضد میں تم رہی ہو ابھی تک رقیب سے
کوٹھا ہو کوہِ طور ہو کعبہ ہو عرش ہو
کوئی جگہ ہو شکل دکھا دو قریب سے
دل پا رہا ہے ہجر میں لذت وصال کی
باتیں تمام شب ہیں خیالِ حبیب سے
آتی نہیں کسی کی شکایت زبان پر
خسرو مگر گلہ ہے تو اپنے نصیب سے

(۹۷)

حسرتِ زنداں ہوئی کچھ نذر بیابانوں کی
زندگی کٹ گئی یوں ہی ترے دیوانوں کی

انگلیاں ٹوٹ گئیں حسرتیں گنتے گنتے
اب بڑھا دیجیے منت مرے ارمانوں کی

اک تری ذات کہ غیروں کی بنی ہو ہمدرد
اک مری جان ہو اپنوں کی نہ بیگانوں کی

آئیں کبھی تو کہیں آنے کے پڑے ہیں لالے
دل میں آنکھوں میں جگہ ہو ترے پیکانوں کی

میں مٹا دل مٹا، حسرت مٹی ارماں مٹے
انتہا ہو گئی اب آپ کے احسانوں کی

ہاں یہی ہوتا ہو دعدوں کو بھلانے والے
بس قسم کھائے تو کھائے ترے پیمانوں کی

بے نیازِ غمِ ہستی و عدم ہیں خسرو
زندگی زندگی ہے چاک گریبانوں کی

(۹۸)

روئے گل بے نقاب ہوتا ہے
بے حجاب آفتاب ہوتا ہے

جلوہ فرما شباب ہوتا ہے
آئینہ لاجواب ہوتا ہے

فصلِ گل میں جو ہو حسیں ساقی
مے کا پینا ثواب ہوتا ہے

اُن کی نیچی نظر یہ کہتی ہے
کوئی دل کامیاب ہوتا ہے

بزمِ معشوق میں ہمارے ساتھ
دلِ خانہ خراب ہوتا ہے

آئی انگڑائی جب انھیں دیکھا
یوں خمارِ شراب ہوتا ہے

رات بے چینی سے گزرتی ہے
کوئی مصروفِ خواب ہوتا ہے

دین و دنیا کو چھوڑ کر خسروؔ
خاک پائے ترابؒ ہوتا ہے

ے حضرت غوث ملت لسان الحق شاہ تراب علی تراب قلندر ربانی خانقاہ کاظمیہ قلندریہ حضرت
عارف باللہ صاحب السر شاہ محمد کاظم قلندرؒ کے صاحب زادے اور حضرت قطب الاقطاب حافظ
شاہ علی انور قلندر قدس سرہٗ کے پردادا تھے۔ ولادت ۱۱۸۱ھ میں ہوئی بدشعور سے تحصیل
فضل میں مشغول اور صلاح و تقویٰ سے آراستہ و پیراستہ تھے۔ ابتدائی فارسی و عربی کی کتا
ملا قدرت اللہ بلگرامی و مولوی معین الدین بنگالی سے پڑھیں بقیہ درسیات کا سبق ملا حمید ا
محدث کاکوروی، مولوی فضل اللہ نیوتنوی و قاضی القضاۃ مولوی نجم الدین علی خاں ثاقب
وغیرہم سے لیا۔ بیعت حضرت شاہ مسعود علی قلندر الہ آبادی خلف الصدق حضرت کلید عرفان سید
شاہ باسط علی قلندر الہ آبادی سے تھی اپنے زمانہ کے مشہور صوفی و صاحب حال بزرگ تھے ۹۴ سال تک
اپنے انفاس قدسیہ سے ایک عالم کو مستفید فرمایا۔ فارسی زبان میں بیش بہا تصانیف فرمائیں۔ اود
فارسی اور ہندی میں آپ کا کلام موجود ہے جو بہت پر مغز سلیس و عام فہم ہے ۱۲۷۵ھ میں وصال ف

حضرت خسروؔ کے والد گرامی حضرت جذبؔ کاکوروی بھی حضرت شاہ محمد کاظم قلندر و شا
تراب علی قلندر قدس سرہما کی مدح سرائی یوں کر رہے ہیں۔

حلوہ نما ہے چار سو، شوکت و شان حیدری — کاظم بو تراب کی کون کرے برابری

(۹۹)

دل بنے یا دلِ ناشاد کا ارماں ہو جائے
تیر جو آئے ادھر سے وہ رگِ جاں ہو جائے

شوخیٔ چشم فسوں ساز قیامت کر دے
میرے سینے کا ہر ایک زخم نمایاں ہو جائے

ناوکِ ناز کو پہلو میں چھپائے رکھنا
کہیں ایسا نہ ہو وہ یار پشیماں ہو جائے

رخنے ایماں میں پڑیں عشق کی لڑیاں کھل جائیں
یہ دلِ زار جو بھولے سے مسلماں ہو جائے

اے خدا وہ نہیں آتے نہ اجل آتی ہے
میں تڑپتا ہوں یہ مشکل مری آساں ہو جائے

چاند صورت کو تری دیکھ کے شرماتا ہے
چاہتا ہے کہ ترے حسن پہ قرباں ہو جائے

پھر بہار آئے جو خسروؔ کو ادا سے دیکھو
مے کا پھر دور چلے عیش کا ساماں ہو جائے

(۱۰۰)

جب ذرا جھونکے خزاں کے کھا گئے
پھول نازک تھے بہت مرجھا گئے

میرے ٹوٹے دل کی وہ تھی بارگاہ
زخم بھی دامن جہاں پھیلا گئے

کون دیتا منزلِ وحشت میں ساتھ
تیرے دیوانے تنِ تنہا گئے

جن سے امیدِ تسلی دل کو تھی
وہ تو دل کو اور بھی تڑپا گئے

کیا ہوئی تاثیر جذبِ عشق کی
ہائے نالے اپنے لب تک آ گئے

قدر کھوئی آبرو جاتی رہی
دل لگانے کے مزے ہم پا گئے

حسرتیں خسرؔو ستائیں کیوں ہمیں
ہم تو امیدوں سے بھی باز آ گئے

(۱۰۱)

چھری رُک رُک کے چلتی ہو کشاکش میں رگِ جاں ہو
اِدھر بسمل پریشاں ہو اُدھر قاتل پشیماں ہو
چھری ہو حلق ہو جوشِ جنوں ہو اور قاتل ہو
گلے پر موجِ خوں ہو یا گریباں پر گریباں ہو
مرا چھٹنا تو کیسا قید میں برسوں گزاروں گا
پرانی بیڑیاں ہیں اور نئی دیوارِ زنداں ہو
ہوا بگڑی ہو دل کی دیکھ کر رسوائیاں اپنی
یہاں جھونکے خزاں کے ہیں وہاں زلفِ پریشاں ہو
لبِ نازک میں پوشیدہ ہے اندازِ مسیحائی
مرا رنگِ تمنّا بھی کوئی لعلِ بدخشاں ہو
محبّت میں نظام جسم بدلا تو جہاں بدلا
کہ پہلے جس جگہ دل تھا وہیں تصویرِ جاناں ہو
درازی میں بہت مشکل ہو امیدِ سحر نشتر!
تڑپ کر جان دے دینا شبِ فرقت میں آساں ہو

(١٠٢)

مدت ہوئی ہے ذکرِ حسیناں کیے ہوئے
نورِ سخن سے دل کو چراغاں کیے ہوئے

عرصہ ہوا ہے وصفِ بہارِ جمال سے
روئے ورق کو رشکِ گلستاں کیے ہوئے

برسوں ہوئے ہیں تذکرۂ سوزِ عشق سے
بزمِ سخنوری کو درخشاں کیے ہوئے

کرتا تھا رات وہ مرے دل کا معائنہ
شیرازۂ وفا کو پریشاں کیے ہوئے

بیٹھے ہیں ہم تصورِ گیسوئے یار میں
اس زندگی کو خوابِ پریشاں کیے ہوئے

خوں کرکے لے چلا ہوں دل و جاں کو اپنے ساتھ
دیدارِ روئے یار کا ساماں کیے ہوئے

پھر لے چلا ہے ہائے مجھے کفر کی طرف
مدت ہوئی تھی دل کو مسلماں کیے ہوئے

بیٹھا تھا رات میں بھی کسی جلوہ گاہ میں
ہر دیدۂ خیال کو حیراں کیے ہوئے

وہ نو بہارِ حسن گیا ہے ابھی ابھی
ہر نقشِ پا کو روضۂ رضواں کیے ہوئے

مرمٹیئے اس ادا پہ کہ خسرو کبھی جل بجھے
سینے میں سوزِ عشق کو پنہاں کیے ہوئے

(۱۰۳)

شوخی بلا کی اُس نگہِ فتنہ گر میں ہے
اک انقلاب گردشِ شام و سحر میں ہے

اتنا بھی امتیاز نہیں فرطِ شوق میں
پیکاں میں اب جگر، ہے کہ پیکاں جگر میں ہے

آنکھوں کے بند ہوتے ہی تاریک ہے جہاں
دنیا کا راز ایک فریبِ نظر میں ہے

مقتل میں جا رہا ہے وہ قاتل ادا کے ساتھ
ہے آستیں چڑھی ہوئی خنجر کمر میں ہے

دستِ جنوں وہ بڑھ چلا وہ آ گئی بہار
دامن کی خیر ہو کہ گریباں نظر میں ہے

اے ناشناس لذتِ غم تجھ کو کیا خبر
کس لطف کی خلش مرے زخمِ جگر میں ہے

کونین اس کی لذتِ آزار پر نثار
اخترؔ جو مبتلائے غم دردِ جگر میں ہے

(۱۰۴)

گل کے مرجھانے پہ بھی گل کی وہ نکہت نہ گئی
مٹ کے دل خاک ہوا دل سے محبت نہ گئی

چھوڑ کر مجھ کو بلائے شبِ فرقت نہ گئی
کیا قیامت ہو گر سر سے یہ قیامت نہ گئی

اپنے جلوے میں ہوئے محوِ تماشا ایسے
آئینہ اُٹھ بھی گیا آپ کی حیرت نہ گئی

تو یہ کیا کرتا کہ جینے کا مزا جاتا تھا
دل سے میرے مئے معشوق کی چاہت نہ گئی

شہرتِ حسن سے افزوں ہوئی قدرِ یوسف
بک کے بھی مصر کے بازار میں قیمت نہ گئی

نیم باز آنکھیں تری ہو گئیں خنجرِ قاتل
نیچی نظروں سے بھی امیدِ شہادت نہ گئی

میری آنکھوں کو تجلی مہ و انجم سے ہو کیا
تم نہ آئے تو شبِ ہجر کی ظلمت نہ گئی

دل سے رخصت ہوئے ہوش و خرد و صبر و قرار
نہ گئی ہائے مگر اک تری چاہت نہ گئی

اُن کے گیسو کے تصور میں کٹی عمر مری
جیتے جی دل سے پریشانی و وحشت نہ گئی

مر مٹے ہم مگر اس شوخ کا بدلا نہ مزاج
جور کی خو نہ گئی ظلم کی عادت نہ گئی

اپنی تقدیر کو روؤں میں کہاں تک خسروؔ
نہ مٹی دل کی تڑپ شومئ قسمت نہ گئی

(۱۰۵)

توبہ کیا ٹوٹی ہی ساقی کے گنہگاروں سے
برق سی کوند گئی شیشوں کی جھنکاروں سے
مے چھلک آئی ترے آتشیں رخساروں سے
قافلے ہوش کے رخصت ہوئے میخواروں سے
سر وہ ٹکرائے جنوں میں ترے دیوانوں نے
دیکھ زنداں میں کہ در ہو گئے دیواروں سے
بزم میں بادِ صبا آئی ہے اترائی ہوئی
پھولوں کی بو کو اڑا لائی ہے گلزاروں سے
کیا قیامت ہیں کنکھیوں سے اشارے ان کے
کام جادو کا لیا ننھی سی تلواروں سے
آہیں کرتا ہوں تو آہوں سے شرر اڑتے ہیں
پھول برساتا ہوں میں سوز کے فواروں سے
شعلہ رویوں کے تصور سے بھی ڈر ہے مجھ کو
دل پہ بجلی نہ گرے برق کے نظاروں سے
زخمِ دل بھی گلِ خنداں کی طرح ہنستے ہیں
کیا کہے کوئی دہکتے ہوئے انگاروں سے
ان کو دلِ بیش بہا دے کے یہ خسرو نے کہا
اور کیا بیچیے گا آپ خریداروں سے

(۱۰۶)

بے کسی نے کر دیا صد شکر اس قابل مجھے
ذبح کر کے دیر تک رویا کیا قاتل مجھے

تفرقہ پرداز گردوں کی یہ نیرنگی تو دیکھ
ڈھونڈھتا دلبر کو میں ہوں ڈھونڈھتا ہے دل مجھے

سوزِ غم سے میں جو مرتا ہوں تو مر جانے بھی دو
زندہ کرے گی ہوا اے دامنِ قاتل مجھے

دیکھ لے کچھ تو تڑپنے کی بھی اے قاتل بہار
یوں نہ جا کر کے نگاہِ ناز سے بسمل مجھے

کیا قیامت ہے کنکھیوں سے اشارے بزم میں
ننھی ننھی ان کی چھریاں کرتی ہیں بسمل مجھے

یاد آتا ہے کہ دیکھا تھا کسی نے ناز سے
ڈھونڈھتا ہوں ہر طرف ملتا نہیں اب دل مجھے

رفتہ رفتہ ہو گیا دل بھی اسیرِ زلفِ یار
عشق نے رکھا نہ بالآخر کسی قابل مجھے

زندگی میں وہ نہ آئے نزع میں تو آ گئے
ہو گئی خسرو دمِ آخر خوشی حاصل مجھے

(۱۰۷)

شمع نے جل کے کہا ہے یہی پروانے سے
نور ہو جائیں گے سب عشق میں جل جانے سے

اُٹھ گیا کون لہو رو کے یہ مے خانے سے
بوئے خوں آتی ہے ساقی ترے پیمانے سے

میرے مرنے کا اثر ہے کہ جنازہ پہ مرے
بال کھولے وہ چلے آتے ہیں میخانے سے

چشمِ ساقی سے نظر اپنی رہی گی یہ بھی
ہم لڑاتے نہیں پیمانے کو پیمانے سے

نشہ اترا کہ مری آنکھ سے کیوں اشک بہے
جیسے مے گرتی ہے چھلکے ہوئے پیمانے سے

کر دیا ہے دلِ بیتاب نے جینا مشکل
ہائے کمبخت سمجھتا نہیں سمجھانے سے

زلفیں بکھرائے ہوئے آئے قیامت کر دی
مجھ پہ کیا گزری یہ پوچھو کسی دیوانے سے

اپنا دکھ درد بھی کہنے نہیں پایا اُن سے
سُن کے نیند آ گئی ان کو مرے افسانے سے

تم چلو تو سہی کعبہ کو جنابِ واعظ
ہم بھی آ جائیں گے بہکے ہوئے میخانے سے

نزع میں آپ جو آئے مری قسمت جاگی
اپنے دامن کو ہوا دیجیے سرہانے سے

عشق کے سوز نے کیا آگ لگا دی خسرو
چھالے اٹھتے ہیں پسینہ کے ٹپک جانے سے

(۱۰۸)

تم پہ مرنے کا یہ کیا کم ہی صلا میرے لیے
مدتوں روئیں گے اربابِ وفا میرے لیے

بندہ پرور ہی دلِ درد آشنا میرے لیے
میرے جینے کا جہاں میں ہی مزا میرے لیے

رنج راحت کا سبب ہوا اے خدا میرے لیے
درد بڑھتے بڑھتے ہو جائے دوا میرے لیے

پھول کیا پھولے چمن میں نو بہارِ حسن نے
رکھدیئے ہیں جام و ساغر جا بجا میرے لیے

کھینچ لی ساقی نے روحِ عطرِ گلہائے مراد
کیا قیامت ہی شراب جانفزا میرے لیے

میرے خونِ آرزو کی چاٹ ناحق پڑ گئی
رنگ کیا کیا لائے گا رنگِ حنا میرے لیے

جی بہلنے کے لیے میں اور ساماں کیا کروں
تو بہت ہی اے خیالِ دلربا میرے لیے

سوزِ فرقت سے نہیں گلشن میں بھی مجھ کو نجات
آتشِ گل تیز کرتی ہی صبا میرے لیے

کھل گئیں آنکھیں مری دیکھا جواں کو خواب میں
روئے زیبا تھا کہ صبحِ دلکشا میرے لیے

میری نادانی تھی کیا الجھا خیالِ غیر سے
آپ نے تجویز کی کوئی سزا میرے لیے

ظلم کا شکوہ نہیں خسروؔ کو اس پر ناز ہی
خوب رو ایجاد کرتے ہیں جفا میرے لیے

(۱۰۹)

بیوفا ہو کے وفادار وفا بھول گئے
یہ ستم ہی کہ ستم گر بھی جفا بھول گئے

اس قدر اُن کی عنایت کو زمانہ گزرا
اپنے ناسور نمکداں کا مزا بھول گئے

آج وہ چیز نظر آتی ہی بُت خانہ میں
دل میں جو یادِ خدا تھی بخدا بھول گئے

ہم نے اپنی سی کبھی بھول نہ دیکھی نہ سنی
ہاتھ اٹھایا جو دعا کو تو دعا بھول گئے

پھر چلے کوچۂ جاناں کو جنابِ خسروؔ
آپ کیا دردِ جدائی کا مزا بھول گئے

---

(۱۱۰)

اب نہیں کوئی بھی غم خوار خدا خیر کرے
رنگ لایا ہے دلِ زار خدا خیر کرے
جل نہ جائیں یہ جگر و دل یہ کلیجا پھنک جائے
بھڑکی ہے آتشِ رخسار خدا خیر کرے
اُن کے انداز یہ کہتے ہیں مکر جائیں گے
ہے تبسم دمِ اقرار خدا خیر کرے
دیکھ لے جامِ مئے ناب پلا دے ساقی
توبہ کر لیں نہ یہ میخوار خدا خیر کرے
بجلیاں کوندتی ہیں جب وہ نظر آتا ہے
اے مری حسرتِ دیدار خدا خیر کرے
آج پھر بزم میں خسروؔ وہ بہ رو آیا
گرم ہے حسن کا بازار خدا خیر کرے

---

(۱۱۱)

گئی بلا سے یہ جانِ عزیز کیا کرتے
ہم اور برقِ ادا کا مقابلہ کرتے

بتوں کو دیکھنے کعبہ کو کس لیے جاتے
طواف ہم دلِ خانہ خراب کا کرتے

کلی کے ذوقِ تبسم پہ مسکرا دیتے
گلوں کے خندۂ بے جا پہ ہنس دیا کرتے

گر اُن کے رنگ سے آنکھوں میں تازگی آتی
بہت سے توڑ کے دامن میں بھر لیا کرتے

یہ سب بھی مگر اُس جانِ رنگ و بو کے بغیر
بہار ہم ترے پھولوں کو لے کے کیا کرتے

کسے خبر تھی یہ کمبخت رنگ لائے گا
نہیں تو دل کو کسی سے نہ آشنا کرتے

وہ آتے ناز سے پھولوں کو دیکھتے خسرؔو
چمن سے ہم گلِ نظارہ چُن لیا کرتے

غنچۂ دل جو وہ ہنس ہنس کے کھلا دیتا ہے
ہر لبِ زخم جگر اُس کو دُعا دیتا ہے
قہر ڈھاتا ہے وہ جلوہ جو دکھا دیتا ہے
مختصر یہ ہے کہ دیوانہ بنا دیتا ہے
مرہم زخم بھی رکھتا ہے وہ تلوار کے ساتھ
کر کے بسمل مجھے دامن کی ہوا دیتا ہے
وہ نہ بجلی ہے نہ شعلہ ہے مگر حیرت ہے
کہ نکلتا ہے جدھر آگ لگا دیتا ہے
کہیں اس سے بھی نہ محروم ستم گر کر دے
کیوں کہوں زخم جگر مجھ کو مزا دیتا ہے
ٹھنڈی ٹھنڈی ہے فضائے چمنِ دل کیسی
زخم جو رِستا ہے دامن سے ہوا دیتا ہے
گُل بھی دیوانہ ترا ہے کہ بہار آتے ہی
دھجیاں جیب و گریباں کی اڑا دیتا ہے
جب سے میخانہ میں بیٹھا ہے عمل خسرو کا
ایک عالم ہے کہ پیتا ہے دُعا دیتا ہے

(۱۱۳)

جلوے نظر بچا کے دل و جاں میں رکھ لیے
توڑے جو پھول جیب و گریباں میں رکھ لیے

قسمت سنور سکی نہ کسی کی کہ شوخ نے
جھونکے ہوا کے زلفِ پریشاں میں رکھ لیے

ہم کو بھی عمرِ خضرؑ ملی ہے شباب میں
عیسیٰ کے معجزے لب جاناں میں رکھ لیے

رُخسار اور جبیں نہیں یہ مہر و ماہ ہیں
نظارے اُن کے دیدۂ حیراں میں رکھ لیے

آنکھوں کے مست آپ کے دیوانے ہو گئے
شیشے شرابِ ناب کے زنداں میں رکھ لیے

خسروؔ کی ان اداؤں کے قربان جائیے
غمزے نگاہِ ناز کے ارماں میں رکھ لیے

خانہ خراب دل کے ہیں ارماں نئے نئے
چھانے گئے ہیں دشت و بیاباں نئے نئے

پہلو کو چیر ڈالیں گے ہم دیکھ لیجیے
ہیں دل میں آپ کے غمِ پنہاں نئے نئے

اغیار بھی ہیں زینتِ محفل خطا معاف
پیدا ہوئے ہیں جان کے خواہاں نئے نئے

ترچھی نظر پھر اُس پہ کنکھیوں سے دیکھنا
کیا تیر نے نکالے ہیں پیکاں نئے نئے

تازہ تھے زخم نرگسِ شہلا کی دید کے
کِھل کِھل کے رہ گئے گُلِ خنداں نئے نئے

دل میں بتوں کی یاد ہے ایماں فروش ہیں
کافر بنے ہوئے ہیں مسلماں نئے نئے

بکھرے ہیں بال چہرہ پہ یہ موشگافیاں
انداز ہیں تمھارے مری جاں نئے نئے

کہنا یہ نامہ بر وہ چلے آئیں دیکھ لیں
آنکھوں نے اب اُٹھائے ہیں طوفاں نئے نئے

خسروؔ سے کہہ رہی ہیں نرالی ادا سے وہ
ہیں دل میں آپ کے بھی تو ارماں نئے نئے

(۱۱۵)

جوشِ جنوں کے آج ہیں ساماں نئے نئے
پھر اڑ گئے ہیں چاکِ گریباں نئے نئے

بادِ صبا چلی ہے کہ تلوار چل گئی
سرسبز ہو گئے چمنستاں نئے نئے

کالی گھٹا ہے سرد ہوا ہے بہار ہے
لائی ہے رنگ زلفِ پریشاں نئے نئے

یہ سُن لیا ہے خواب میں وہ شب کو آئیں گے
اب دل میں ہیں خیال کے عنواں نئے نئے

وہ نو بہارِ حسن ہے نازک خیال ہے
چن چن کے لائے گا وہ دل و جاں نئے نئے

بجلی سی کوندنے لگی خسرو دماغ میں
یہ ہیں نگاہِ ناز کے احساں نئے نئے

(۱۱۶)

غش سجدے ہیں وہ شوق میں آغوشِ جبیں ہے
کس درجہ دلآویز ترے در کی زمیں ہے

خود حسن بھی رہتا ہے جہاں محوِ تماشا
وہ جلوہ گہِ خاص دلِ اہلِ یقیں ہے

اللہ ری نگاہِ غلط انداز کی شوخی
کھائی ہے کہیں چوٹ مگر درد کہیں ہے

جو شاخ ہے انگڑائی ہے وہ شوق میں تیرے
جو گل ہے وہ خمیازہ کشِ چینِ جبیں ہے

مے نوش ہیں اور گردشِ پیمانہ و ساغر
اس منزلِ دلکش میں نہ دنیا ہے نہ دیں ہے

خسروؔ بھی پھرا کرتے ہیں اترائے ہوئے سے
لو آپ کو اس شوخ کے وعدہ کا یقیں ہے

مجھ سے پوچھے نہ کوئی شرح محبت میری[1] — نکہت گل سے کبھی نازک ہے طبیعت میری

حسن کے دل سے کوئی پوچھ لے عظمت میری — عشق ہوں عشق حقیقت ہے حقیقت میری

اے خدا بخش دے تو سب غم کونین مجھے — دیکھ لے حسن جفا کار بھی ہمت میری

جس نے دیکھا ہو تجھے تیرے سوا کیا دیکھے — کس قیامت کی ہے اللہ ری غیرت میری

کرم دوست نہ گستاخ بنا دے مجھ کو — بے خبر جذبۂ آداب محبت میری

جانتا ہوں ترے حسن چمن آرا کی بہار — کارفرما ہے محبت ہی محبت میری

جان جائے گی مری آپ بھی رسوا ہوں گے — محفل غیر میں زیبا نہیں شرکت میری

حسن کے مول دل زار بکے گا میرا — اس سے بڑھ کر نہیں بازار میں قیمت میری

کیا کروں گا مے معشوق سے خسرو توبہ
کبھی بھرتی نہیں کمبخت یہ نیت میری

---

[1] حضرت خسرو کی یہ غزل بھی ان کے آخری دور کی ہے۔ جذبات عشقیہ کی تکمیل ہر ہر شعر میں اپنی جھلک صاف دکھا رہی ہے ۱۲ منہ

ہو گئی ان کی محبت سے یہ شہرت تیری
جانتا ہوں میں دلِ زار حقیقت تیری

نہ تمنا رہے دل میں نہ شکایت تیری
کچھ نہ بن آئی مجھے دیکھ کے صورت تیری

جام و ساغر میں کہاں ڈھونڈھنے جاؤں ساقی
آنکھوں آنکھوں میں پلا دے تو عنایت تیری

درد بن کر مرے پہلو میں چمک جاتی ہے
کیا قیامت ہے مرے دل میں محبت تیری

اُن کی زلفیں دلِ بیتاب کو کیا یاد آئیں
بڑھ گئی اور بھی ظلمتِ شبِ فرقت تیری

کیا تجلی ہے کہ مجمع میں پری زادوں کے
تو ہی تو ہو گیا اللہ ری قسمت تیری

پھر بہار آئے گی خسرو جو گلِ حسن کھلے
رنگ لائے گی ابھی اور طبیعت تیری

۱ؔ یہ غزل بھی وفات سے کچھ ہی پیشتر کی ہے۔

(١١٩)

کی بند آنکھ جب انھیں دیکھا کہیں نہیں
ہے شوق کی نظر نگہِ دوربیں نہیں

صد حیف دل میں جلوۂ جانِ حزیں نہیں
محمل ہے اور لیلیٰ محمل نشیں نہیں

پھر کس نے دل کو بزم میں بیتاب کر دیا
جادو بھری جو وہ نگہِ شرمگیں نہیں

میں اُن سے عرضِ حال کروں کس اُمید پر
جن کی زبان پر ہو برابر نہیں نہیں

کیا پوچھتے ہو گریۂ بے اختیار کو
دامن نہیں ہے تر کہ مری آستیں نہیں

یہ حسن اور عشق کی رنجش ہے باہمی
قسمت کی سرنوشت ہے چینِ جبیں نہیں

کیوں کر کہوں کہ اُن کی ادا چھین لی گئی
پہلو میں دل کو ڈھونڈھ رہا ہوں کہیں نہیں

ہستی کا میری غیر دل کو ہر چند ہے گماں
میں جانتا ہوں اس لیے مجھ کو یقیں نہیں

دل کی خطا ہے آنکھوں کا خسرو قصور ہے
ملزم گناہِ عشق کا وہ نازنیں نہیں

سہرا

بہ تقریب عقد نکاح جناب مولوی غازی الدین صاحب علوی
ایم. سی. ایس. سابق منصف دکن

عجب رنگ سے گل بہ داماں ہی سہرا — سراپا بہارِ گلستاں ہے سہرا

مبارک ہو غازی نے باندھا ہی سر پہ — وہ سہرا کہ جو جانِ ارماں ہے سہرا

ہٹا دے تو اے شوق بیتاب اس کو — حجابِ رُخِ نازِ جاناں ہے سہرا

گلے ملنے کا آج وعدہ ہوا ہے — کہ وا کردہ آغوشِ ارماں ہے سہرا

ہیں ٹوٹے ہوئے جا بجا تار اس کے — کسی کا یہی عہد و پیماں ہے سہرا

دکھایا ہی یہ روز اے بخت تو نے — ترا آج ممنونِ احساں ہے سہرا

بہت حسرتیں دل کی زندہ ہیں جس سے — وہ مجموعۂ رشتۂ جاں ہے سہرا

نہیں روئے نوشہ پری ہی بغل میں — زمانہ کا اپنے سلیماں ہے سہرا

بڑی دوش پر پیچ کھاتی رہیں زلفیں — ہوا ہے جو رُخ پر پریشاں ہے سہرا

ترے سر پہ کیا اک مسیحا نے باندھا — کہ آج اپنی قسمت پہ نازاں ہے سہرا

حریم تمنا میں آرا نشیں ہیں — شبِ وصل ہی آج مہماں ہے سہرا

ہیں انداز سجدے کے افتادگی میں — کسی زلفِ کافر کا ایماں ہے سہرا

اجازت نچھاور کی دے اے تمنا　　بہت دیر سے گل بہ داماں ہے سہرا
اگر رخ ہے نوشاہ کا صبحِ خنداں　　تو نورِ رخِ صبحِ خنداں ہے سہرا
نہ کیوں شاد خسرو ہو جوشِ طرب سے
دلِ آرزو جانِ ارماں ہے سہرا

۱؎ مولوی غازی الدین احمد صاحب علوی خلف اکبر مولوی فخرالدین احمد صاحب سفیر کاکوروی (۱۹۳۰ء) ۲۲ رمضان سنہ ۱۳۲۱ھ / ۱۹۰۲ء کو کاکوری میں متولد ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد کاکوری کے وانیگلو ورنا کیولر مڈل اور اسلامیہ اسکول لکھنؤ میں تعلیم حاصل کی پھر علی گڑھ جاکر تحصیل علم کی بعد ازاں حیدرآباد جاکر جامعہ عثمانیہ سے بی اے کیا اور حیدرآباد سول سروس میں نمایاں کامیابی حاصل کی۔ مختلف عدالتی عہدوں پر فائز رہنے کے بعد سنہ ۱۹۶۰ء میں سشن جج کے عہدے سے پنشن پائی۔

آپ کی دو تالیفات طبع ہو کر مقبول ہو چکی ہیں۔ (۱) سیرت طیبہ۔ یہ کتاب زمانۂ طالب علمی کی کاوش ہے مؤلف موصوف کو اس پر انعام بھی ملا تھا۔ (۲) پیغام نشاط۔ مخصوص و منتخب آیاتِ قرآنی و احادیثِ نبوی کے موضوع وار اردو ترجموں کا مجموعہ سنہ ۱۹۶۲ء میں حیدرآباد دکن سے شائع ہوا۔ مندرجہ بالا تالیفات کے علاوہ موصوف کی دو کتابیں قانون و اصولِ قانون سازی کے موضوعات پر غیر مطبوعہ موجود ہیں۔

کھرے اصول پسند، ایمان دار اور تقویٰ و صلاح سے آراستہ ہیں۔ کم عمری ہی سے بڑے متین و سنجیدہ اور عفیف رہے جس کی بنا پر اپنے بزرگوں اور خصوصاً اپنے پیر و مرشد برحق حضرت مولانا شاہ حبیب حیدر قلندر قدس سرہ اور اُن کے جانشینان کی بارگاہ میں مقبول و محبوب رہے۔ حضرت خسرو کے ہمراہ ایک عرصہ تک رہے۔

سہرا

بہ تقریب کتخدائی حضرت مولانا حافظ شاہ علی حیدر قلندر قدس سرہٗ

تیرے کیا باندھا گیا ہے سہرا نور سہرا
زلفیں بل کھاتی ہیں اترا تا ہو سر پہ سہرا
نور کا عکس پڑا حسن کے ہیں پھول کھلے
آئینہ ہی رُخِ روشن کے برابر سہرا
کہتے ہیں تارِ نظر آپ کے مشتاقوں کے
اِک تماشہ ہو اسے ہم کہیں کیوں کر سہرا
دل کی جو بات ہو دل ہی میں رہی جاتی ہے
چہرہ قرآں ہو تو قرآن سے ہی بڑھ کر سہرا
حشر برپا کرے چہرے سے سرک جائے اگر
کیا قیامت ہو کہ ہے فتنۂ محشر سہرا
زُلف کی بو سے نہ مرجھائے کبھی زندہ رہی
یہ تجلی کیا تیری طرح ہو گیا خوگر سہرا
اپنی ہی ساری تجلیؔ ہے مسیحائی ہے
چہرہ خسرو ہی تو چہرے کا ہے گوہر سہرا

سلام

کچھ جو شانِ نگہِ لطف دکھائیں شبیرؑ — چاہیں جس خاک کو اکسیر بنائیں شبیرؑ

خوابِ راحت میں دکھا کر مجھے جلوہ اپنا — میری سوتی ہوئی تقدیر جگائیں شبیرؑ

صبحِ خنداں کی طرح دل مرا نورانی ہو — سکراتے ہوئے گر سامنے آئیں شبیرؑ

بجلیاں کوندتی ہیں کیا میں کسی کو دیکھوں — آنکھ سے دل میں مرے اب اتر آئیں شبیرؑ

نکلی جاتی ہیں اِن آنکھوں سے نگاہیں میری — آپ کے حسن کی لینے کو بلائیں شبیرؑ

دیکھ لیں مست نظر سے جو سرِ بزم مجھے — کر دیں مدہوش مرے ہوش اڑائیں شبیرؑ

میں تو سمجھا تا ہوں کمبخت سمجھتا ہی نہیں — آپ اس دل کو مرے آنکھ دکھائیں شبیرؑ

زلفِ شکیں کا مرے سر پہ جو سایہ ڈالیں — پھر تو اپنا مجھے دیوانہ بنائیں شبیرؑ

دلِ ناشاد مرا رشکِ گلستاں کر دیں — مجھ کو شانِ نگہِ لطف دکھائیں شبیرؑ

جاں نثار امید کے آنسو جو گرائیں شبیرؑ — آسماں سے ابھی تارے اتر آئیں شبیرؑ

آپ کے در پہ جو آئے ہیں تو جانے کے نہیں
زندگی اپنی کہاں جا کے گنوائیں شبیرؑ

جلوہ افروز ہیں میں کبھی تو زیارت کر لوں
مجھ کو محروم کہیں چھوڑ نہ جائیں شبیرؑ

مجھ پہ کبھی اک نظرِ لطف و عنایت ہو جائے
اپنے روضہ پہ مجھے آپ بلائیں شبیرؑ

چشمِ رحمت سے نظر کر کے گنہگاروں پر
لیجئے آپ غریبوں کی دعائیں شبیرؑ

یاد کچھ آپ کو یہ بے سر و ساماں کر لیں
حشر میں آپ انھیں بھول نہ جائیں شبیرؑ

غنچہ غنچہ ترے گلزار کا پامال ہوا
ہائے کیا بدلیں زمانے کی ہوائیں شبیرؑ

نازؔ[1] خسرو کو محبت یہ ہو قسمت یہ نہیں
روٹھا بیٹھا ہو اُسے آ کے منائیں شبیرؑ

---

[1] اس عرضداشت کی مقبولیت کا اندازہ یوں ہوتا ہے کہ محرم الحرام ۱۳۵۴ھ میں یہ کہی گئی اور ۱۹ صفر ۱۳۵۴ھ کو شاداں و فرحاں عالم ناسوت کو خیرباد کہہ گئے۔ گویا چالیس روز کے اندر ہی اندر منا لیے گئے۔ ۱۲ منہ

سلام

ستم ہے اس قدر تیغیں پڑیں نوشاہ کے سر پر
کہ سہرا بن گئیں دھاریں لہو کی روئے انور پر

کہیں مہمان کی دعوت جہاں میں یوں ہی ہوتی ہے
کہ پیاسے تھے حسینؑ اور زہر کا پانی تھا خنجر پر

بہارِ حسنِ قاسمؑ دیکھ کر سب جان دیتے تھے
کہ خم تھا گیسوؤں میں بل پڑے تھے ان کے تیور پر

نہ دیکھی جا سکی بے پردگی آلِ پیمبرؐ کی
غبارِ راہ چادر بن گیا ہر اک کھلے سر پر

وہاں چھڑکے ہیں تارے یاں کھلے ہیں پھول زہرا کے
زمینِ کربلا کو ہے شرف چرخِ ستم گر پر

جو آئے حضرت عباس رن میں شمر یوں بولا
یہ کیا آئے کہ آفت آ گئی ہے میرے لشکر پر

نہ پایا مرتے مرتے گود میں جب آب کا قطرہ
بہایا شاہ نے اشکوں کا دریا نعشِ اصغر پر

مرا نورِ نظر ہم شکلِ احمدؐ یوسفِ ثانیؑ
یہی کہہ کہہ کے حضرت رو رہے تھے نعشِ اکبر پر

لب و دندانِ قاسم دیکھ کر کفار کہتے تھے
نظر ڈالے بھلا کیوں کر کوئی پھر لعل و گوہر پر

جو دیکھا اکبرِ رشکِ قمر کے روئے زیبا کو
تو اک افسردگی سی چھا گئی خورشیدِ خاور پر

خدا کی راہ میں خسرو کو یہ شوقِ شہادت ہے
رگیں ساری پھڑک کر دم دیئے دیتی ہیں خنجر پر

سلام

کچھ ہنسی کھیل نہیں دولتِ عقبیٰ پانی
وہی پاتا ہے جو کرتا ہے کلیجہ پانی

کیا ہوا تھا جو لبِ ساحلِ دریا پانی
آبِ غیرت میں جو ڈوبا نہ پھر ابھرا پانی

بند پانی ہوا شبیرؑ کے غم خواروں پر
تجھ کو کس کے لیے کفار نے روکا پانی

تجھ سے سیراب پرندے ہوئے نیچے ترے
کیا کیا تو نے تجھے کچھ بھی نہ سوجھا پانی

شرم کی بات ہے تیرے لیے اے نہرِ فرات
سر چڑھا اتنا ترے سر سے نہ اترا پانی

شاہ پاتے تو بناتے تجھے آبِ حیواں
لگ گیا تجھ میں مگر خون کا دھبّا پانی

اُن کے قبضے میں تھا کوثر تری پروا کیا تھی
تیری کم ظرفیوں نے تجھ کو ڈبویا پانی

دیکھ عباسؓ کی ہمت کہ بایں تشنہ لبی
نہر سے مشک بھری اور نہ چکھّا پانی

کمسنی میں تری غربت کے فدا اے اصغر
نہ ملا اور نہ ملا کوئی بھی قطرہ پانی

آبرو بخشی ہے شبیرؑ نے دنیا تجھ کو
تشنہ لب قتل ہوئے اور نہ مانگا پانی

جام مے خسروِ دل گیر کو ساقی دیدے
نہ پئے گا وہ ترے ہاتھ سے تنہا پانی

سلام

پھولا پھلا کیا غمِ سرور تمام رات　　الجھی ہوا سے زلفِ معنبر تمام رات

گھوما جو سر پہ چرخِ ستم گر تمام رات　　ٹکرایا اُٹھ کے فتنۂ محشر تمام رات

گرتے تھے آسمان سے تارے زمین پر　　یہ دیکھتے تھے سبطِ پیمبر تمام رات

ابروئے شاہ دیکھ کے محجوب ہو گیا　　تیغِ ادا سے ماہِ دو پیکر تمام رات

نوکِ مژہ کی تھی جو خلش دل میں رہ گئی　　چبھتے رہے کلیجہ میں نشتر تمام رات

شمعِ جمالِ عشق کا پروانہ بن گئے　　قاسم وفا کے داغوں سے جل کر تمام رات

صغر فریبِ حسن کے دیوانے ہو گئے　　ناوکِ نگاہِ ناز سے کھا کر تمام رات

اہلِ حرم کی سینہ فگاری نہ پوچھیے　　خیمے میں صبح کی ہو تڑپ کر تمام رات

برقِ نظر سے کس کے قیامت بپا ہوئی　　سب کے گلے پہ پھر گئے خنجر تمام رات

بجلی گری تھی دل پہ شہیدانِ ناز کے　　تڑپے تھے بحرِ غم کے شناور تمام رات

پیاسے شہید آتے ہیں یہ انتظار تھا　　چھلکا کیا تھا خلد میں کوثر تمام رات

سنبل پہ صحنِ باغ میں نرگس نے جان دی　　پیچیدہ کاکلوں میں الجھ کر تمام رات

فرحت کو یاد کر کے نسیمِ بہار کی　　ہنستا رہا خزاں میں گلِ تر تمام رات

خسروؔ فدائے حضرتِ شبیرؓ ہو گئے

جامِ شرابِ عشق کو پی کر تمام رات

رباعیات
و
قطعات

پیمانِ طرب بہار لائی ساقی
بدلی رندی سے پارسائی ساقی
بھر ساغرِ مے چمن میں غنچے چٹکے
آوازِ شکستِ توبہ آئی ساقی

اک دوسرے عالم کی بنا ڈالیں گے
احساس کی دنیا کو مٹا ڈالیں گے
جذباتِ الم کا ہے یہ دعویٰ اخترؔ
ہم دل کو اب درد بنا ڈالیں گے

مضطر جو کبھی طبع حزیں ہوتی تھی
رحمت تری جوش زن وہیں ہوتی تھی
اے مالکِ کُن فکاں کرم میں تیرے
اتنی تو کبھی دیر نہیں ہوتی تھی

جاتے ہیں کہاں گھر سے نکلنے والے
منزل کو بتاتے نہیں چلنے والے
طفلی کبھی آئی کبھی پیری و شباب
ٹھہرے نہ کبھی رنگ بدلنے والے

ہر جلوہ کو آج اذنِ درخشانی ہے
افلاک پہ تاروں کی فراوانی ہے
مخمور فضائیں ہیں ضیا سے میری
یا سر پہ مرے چادرِ نورانی ہے

کثرت میں نظر آتی ہو وحدت تیری
ہر آنکھ سے پنہاں نہیں قدرت تیری
ذرّہ ہو کہ مہتاب کا آئینہ ہو
ہر شے میں نظر آتی ہو صورت تیری

افسانہ ہے قصۂ درازِ ہستی
کہنہ ہو مگر نیا ہے سازِ ہستی
میں کیا کہوں تجھ سے ہم نشیں رازِ حیات
دیوانہ ہو آشنائے رازِ ہستی

عالم کی رگوں میں حسن پیوستہ ہو
عاشق روزِ ازل سے جستہ ہو
دیوانِ کمالِ حسن و قدرت کے لیے
ہر برقِ تپاں مصرعۂ برجستہ ہو

پُر کیف سہی جامِ شرابِ ہستی
لیکن ہو خمار اس کا عذابِ ہستی
آخر غفلت کی نیند حسرت کب تک
آیا لبِ بامِ آفتابِ ہستی

گلزارِ جہاں حسن کا گلدستہ ہو
اس دامِ حسیں سے کوئی وابستہ ہو
کھلتا ہو زبانِ برگِ گل سے یہ راز
جو غنچہ ہو ایک رازِ سربستہ ہو

مانا کہ تو ہر رازِ نہاں کو سمجھا
مانا کہ تو رازِ دو جہاں کو سمجھا
کیا فائدہ لیکن اس سمجھ سے تجھ کو
اب تک جو اپنی چیستاں کو سمجھا

جس خار کو چاہے وہ گل تر ہو جائے　　دیکھے جو صدف کی سمت گوہر ہو جائے
خسرو مرے ساقی کا تصرف یہ ہے　　جس جام کو منھ لگائے کوثر ہو جائے

واللہ بجز غم کے شناور حسینؑ ہیں　　دل ہیں علیؓ کا جان پیمبرؐ حسینؑ ہیں
بھر بھر کے جام آج تو خسرو پیو شراب　　کیا دیکھتے ہو ساقیٔ کوثر حسینؑ ہیں
